علمی | اَدبی | تحقیقی | اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث لاہور

شمارہ:11 جلد:25 نومبر 2016ء/صفر 1438ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاد

مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ 1959ء

بانی و مدیر ہفت روزہ ''مسلمان''، وطبی میگزین

بانی

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

م 2010ء

مندرجات

اداریہ	اقتدار اور اقدار	ایڈیٹر	5
تجلیات قرآن	کامیابی کیا اور کامیاب کون؟	محمد نعمان فاروقی	7
انوار حدیث	غصے سے بچ جاؤ	الشیخ محمد بن صالح العثیمین	14
اشاعت حدیث	غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث	ابوانس	16
صیانت حدیث	مشہور مگر ضعیف یا موضوع روایات	حافظ ذکاء اللہ حافظ آبادی	17
سیاسیات	دشمن پر غلبہ کیسے ممکن ہے؟	الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی	18
افتاء و ارشاد	آپ کے سوالات اور ان کا حل	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	24
گوشۂ خواتین	تذکرہ خاتون اول ام البشر سیدہ حواء علیہا السلام	طارق جاوید عارفی	31
تعبیر الرؤیا	آپ دیکھیں خواب......	عبدالحلیم شرر	35
اخلاقیات	سمجھوتا کیسے ہو	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	37
انٹرویو	جب وہ کلمہ پڑھنے کے لیے سارا دن بے چین رہا	ابوحمنہ ذکاء اللہ سلیم	39
نیوز اینڈ ویوز	اخبار مشرق و مغرب	نوید اسلام صدیقی	43
نقطۂ نظر	مشت سے زائد داڑھی کا حکم......؟	عمران الٰہی	46
اصلاح معاشرہ	توہم پرستی	حافظ شبیر صدیق	54
عقیدہ و منہج	اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت	الشیخ عبدالصمد رفیقی	61
عالمی منظر نامہ	کشمیر کی تحریک آزادی	ابوضرار ولید ملک	64
طب و سائنس	عالمی یوم ذیابیطس	ڈاکٹر طارق ریاض	68
عالم اسلام	انڈونیشیا	محسن فارانی	71

www.facebook.com/
Zia.e.hadith

■ ضیائے حدیث جاری کرانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

■ منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے

دفتر ماہنامہ ضیائے حدیث 25 ہادیہ حلیمہ سنٹر، اردو بازار، لاہور

042 3731 0022 || ziaehadith1@yahoo.com

اطلاع عام: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارہ یا چیف ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ نفسِ مضمون کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر ہے لہٰذا ادارہ یا چیف ایڈیٹر اس بابت قانونی طور پر بری الذمہ ہوگا۔
(چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور)

سرکولیشن منیجر: حافظ محمد حق نواز +92 300,332 88 66 057

مارکیٹنگ: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823

قیمت فی شمارہ 50 روپے

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر:
0345-4495886-0
محمد حق نواز +92 300 88 66 057
شناختی نمبر 38404-0967643-1

آن لائن کرانے کے لیے:
A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court
Branch Lahore. Br Code: 1317

سالانہ زرِتعاون: عام ڈاک 500 روپے | رجسٹری ڈاک 900 روپے

دیگر ممالک میں سالانہ زرِتعاون: سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 50 یورو

ناشر: محمد ادریس فاروقی　مقام اشاعت: 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور

اداریہ

اقتدار اور اقدار

مذہبی سطح پر فرقہ واریت حرام اور ناجائز ہے تو پھر سیاسی سطح پر گروہ بندیاں کیونکر جائز ٹھہریں۔ حالانکہ جس قدر نقصان مذہبی فرقہ واریت نے پہنچایا اس سے کہیں بڑھ کر نقصان سیاسی فرقہ واریت نے پہنچایا۔ مگر مذہبی افتراق کو مذموم سمجھا جاتا ہے اور سیاسی افتراق وانتشار کو محبوب۔ امت میں ہونے والے پہلے افتراق کی بنیاد بھی سیاست سے متعلقہ تھی۔ اگرچہ افتراق کی یہ آگ لگانے اور بھڑکانے والے یہود تھے مگر اس کے اثرات مسلم معاشرے میں سرایت کرتے چلے گئے اور امت دو بڑے حصوں میں منقسم ہوگئی۔ اس کی سزا امت آج تک بھگت رہی ہے، جبکہ سیاسی افراتفری، انتشار اور اختلاف کو سرے سے مذموم سمجھا ہی نہیں جاتا۔ آج تو ویسے ہی سیاست برائے نام رہ گئی ہے اور زیادہ تر دشمنیاں، نفرتیں اور عداوتیں ہیں۔ جھوٹ ہے، جھوٹ پر ڈھٹائی ہے، الزامات کی بوچھاڑ ہے، اقتدار کے لیے ہر ممکن کوشش ہے، عدل رخصت ہو چکا ہے، انصاف نام کی چیز نہیں، اقدار منہ موڑ چکی ہیں، اخلاقیات دیکھنے کو بھی نہیں ملتیں اور ہر ایک نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ اقتدار میں آکر ہی کچھ ہوسکتا ہے۔ اس لیے اقتدار میں آنے کی دوڑ لگی ہے، خواہ تمام اقدار رخصت ہوجائیں۔

اگر مذہبی منافرت سے قوم ایک دوسرے سے دور ہوئی تو سیاسی منافرت سے بھی ایسا ہی ہوا۔ مذہبی جنونیوں نے اگر فریق مخالف کا خون اور مال حلال سمجھا تو سیاسی سطح پر بھی ایسے اقدامات ہوتے رہے۔ اگر مذہب کے نام پر انتشار پھیلایا گیا تو سیاست کے نام پر بھی کچھ کمی نہیں کی گئی۔ آئے روز لانگ مارچ، دھرنے، ریلیاں، جلسے، پریس کانفرنسیں، بینر، وال چاکنگ، سائن بورڈ اور ان پر لکھے گرما گرم جملے۔ کیا امت میں محبت کے بیج بورہے ہیں۔ حیرانی تو اس بات کی ہے کہ نیشنل ایکشن پلان میں بھی سارا دباؤ مذہبی افراتفری پر ڈالا گیا جبکہ سیاسی انتشار کی کھلے عام اجازت دی گئی۔

یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستان دشمنوں کو پاک چائنہ اکنامک کوریڈور کسی طرح ہضم نہیں ہو رہا اور وہ ہر صورت افراتفری چاہتے ہیں۔ ہم انتشار کو فروغ دینے والی جماعتوں کی نیت پر شک نہیں کرتے مگر سامراجی طاقتیں یہ محسوس نہیں ہونے دیتیں کہ وہ کروا کیا رہی ہیں۔ یا اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اور اکثر سربراہان کو یہ نہیں پتہ ہوتا کہ وہ کس کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں۔ لیکن بعض سیاسی پنڈت یہ جانتے بوجھتے بھی کہ وہ غیروں کے اشارہ ابرو پر ناچ رہے ہیں، بڑی ڈھٹائی سے ان کے منصوبوں کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مسئلہ کشمیر پر ایک جماعت کے سوا تمام جماعتوں نے یکجہتی کا اظہار کیا مگر ایک جماعت اس لیے پیچھے رہی کہ وہ ایسا اظہار کر کے کہیں امریکہ کی نگاہ میں ناپسند نہ سمجھی جائے اور آئندہ کے لیے بہتر چوائس باقی نہ رہے۔ یہ ہے ہماری سیاسی افراتفری کا نقطہ۔ ''مودی کا جو یار ہے غدار ہے'' کا نعرہ لگانے والے مودی کے مقابلے میں کیے جانے والے آل پارٹیز اجلاس میں شریک کیوں نہ ہوئے؟ پہلے الیکشن 2013ء کو کالعدم قرار دینے کی کوشش کی جاتی رہی۔ اس کے لیے دھرنے دیے گئے وہ مسئلہ الیکشن کمیشن، عدلیہ اور عوام نے حل کر دیا تو وہ دھرنے ختم نہیں ہوئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ضمنی الیکشنوں میں، جہاں دھاندلی کا امکان بہت کم ہوتا ہے اور عموماً منتخب حکومت کے نمبر عوام کی نگاہوں میں کم ہوتے ہیں کیونکہ عوام کی توقعات پر کوئی بھی حکومت پوری نہیں اتر پاتی، ہارنے کے بعد وہ جماعت بھی ہار تسلیم کر لیتی مگر اس پارٹی نے اس کا بدلہ حکومت نہیں بلکہ پاکستان سے لینا شروع کر دیا۔ کہیں بل پھاڑے گئے اور کہیں سول نافرمانی کی تحریک چلائی گئی اور فوج کو بیرکوں سے اقتدار میں لانے کی بار ہا دعوت دی گئی۔ لیکن امید ہے جنرل راحیل فوج کے وقار پر حرف نہیں آنے دیں گے۔ اور حسب وعدہ سی پیک منصوبے پر کوئی زد نہیں پڑنے دیں گے۔

اگر وزیر اعظم نواز شریف کرپٹ ہے اور اس کے دلائل وشواہد موجود ہیں تو عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔ ثبوت فراہم کرنے چاہئیں۔ جو عدالت

پنجاب حکومت کے اورنج ٹرین کے اہم ترین منصوبے کو بچوں کے کھیل کی طرح رکوا سکتی ہے وہ اس کرپشن کے خلاف فیصلہ کیوں نہیں دے سکتی۔ وہ الیکشن کمیشن جو قومی وصوبائی منتخب ممبران کو قانونی وجوہات کی بناء پر کان سے پکڑ کر پارلیمنٹ سے باہر نکال سکتی ہے، وہ ثبوت کے باوجود خاموش کیوں ہے۔ دراصل پانامہ لیکس کی زد میں خود اس پارٹی کے سرکردہ افراد بھی آتے ہیں۔ اس لیے ''پانامہ لیکس'' کے نام سے شروع ہونے والی تحریک کو رفتہ رفتہ ''کرپشن'' کے عنوان سے رنگا گیا اور سابقہ کرپٹ ترین ادوار کی نسبت موجودہ دور حکومت کو کرپٹ ترین قرار دیا گیا اور ثبوت کی فراہمی سے گریزاں رہے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ کون کیا ہے۔ ہمیں تو بلاتفریق ہر ایک کا احتساب چاہیے۔ اور دوسروں کے احتساب سے پہلے اپنا محاسبہ۔ دوسروں پر طعن وتشنیع سے پہلے اپنا جائزہ۔

ہمیں ہمدردی حکومت سے نہیں پاکستان سے ہے۔ ہم حکومت کے بجائے پاکستان کا دفاع چاہتے ہیں۔ ایک منتخب حکومت جو باقاعدہ الیکٹ ہوکر آئی ہے اور ضمنی الیکشن اس کے منتخب ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں تو پھر اس حکومت کو بزور بازو ختم کرنا یہ کسی بھی ملک کے قانون میں نہیں اور نہ ہی کوئی بھی ملک ایسے ترقی کر پاتا ہے۔ پہلے مجموعی طور پر حکومتی جماعت اور اس کے کارکنان کو کوسا جاتا رہا، بات نہ بنی تو اب جماعت کے بجائے اس کے سربراہ کی بات شروع کردی۔ کیا اب نواز شریف کے علاوہ باقی ساری مسلم لیگ ''ن'' ٹھیک ہوچکی ہے۔ نون اور جنون کے نعرے کیا ہوئے، پٹواری اور تھانہ کلچر اور گلوبٹوں کا کیا بنا؟ بعض اوقات دشمن بھی اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا ہمدردی کے روپ میں ناداں اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ ہماری مثال بھی کچھ ایسی ہے۔ اب تک دھرنوں کے اخراجات اور ان کی وجہ سے ہونے والا نقصان اور پارلیمنٹ کے سامنے غسل خانہ بنا کر ملکی وقار کی دھجیاں اڑانے اور ترقی کی رفتار میں روڑے اٹکانے کو جمع کیا جائے تو یہ اربوں کا خسارہ بنتا ہے۔ یہی رقم ملکی تخریب کے بجائے تعمیر پر صرف ہوتی تو کیا ہی اچھا تھا!! مرزا اسد اللہ غالب کی زبان میں یہی کہا جاسکتا ہے ؎

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟   ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو؟

قارئین کرام! یہ سراسر ملک کو غیر مستحکم کرنے کی منصوبہ بندی ہے۔ ''دوبارہ الیکشن'' کا نعرہ تو بہت اچھا ہے لیکن اس میں ملک کا بہت زیادہ نقصان ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ ایسے لوگ اور جماعتوں کے سربراہ قوم کے ہاں اپنی جماعت کا مورال بلند کریں۔ اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو کم از کم پاکستان سے بدلہ نہ لیں گدھے سے گر کر کمہار پر غصہ نہ نکالیں۔ اپوزیشن کے ہاں اپنا مقام بنانے کے لیے کرپٹ ترین سیاستدانوں کی تعریفیں نہ کریں۔ اللہ آپ کا بھلا کرے۔

اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

کہتے ہیں ایک بادشاہ نے اپنی رعایہ کا جائزہ لینے کے لیے ایک بڑا سا حوض بنوایا اور لوگوں سے کہا: صبح تک اسے دودھ سے بھرنا ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سب اپنے اپنے حصے کی ایک بالٹی اس میں ڈالتے جائیں۔ اس طرح حوض بھر جائے گا۔ مگر اگلے دن حوض خالی تھا۔ وجہ یہ پتہ چلی کہ ہر کوئی اپنے طور پر یہ سمجھ رہا تھا کہ باقی سب نے تو دودھ ڈال دیا ہوگا میں نہ بھی ڈالوں تو اتنے بڑے حوض کو کیا فرق پڑے گا!!

''ضیائے حدیث'' کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ہر ممبر یہ سمجھتا ہے کہ دوسرے ممبران نے اپنا اپنا زرِ تعاون بھیج دیا ہوگا، میں نہ بھی بھیجوں گا تو اس سے کیا فرق پڑے گا......۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین۔

اک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

ایڈیٹر: 042-37310022,0322-4044013

A/C Title:Monthly Zia-e-hadith. A/C No:0038805201002063, M.C.B Bank Ltd.

Session Court Branch Lahore. Br Code: 1317

A/C Title: Muhammad Nouman. A/C No: 0101888210 Meezan Bank Urdu Bazar Lahore. Br Code: 0207.

محمد نعمان فاروقی



کامیابی کیا اور کامیاب کون؟

زندگی کے اہم ترین سوال کا جواب قرآن مجید سے لیجیے!

کامیابی کا لفظ ہی ایسا ہے کہ سنتے ہی دل میں ایک امید سی مچلنے لگتی ہے اور قلب میں فرحت و انبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ہر شخص، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کامیابی کے حصول کے سفر کا باقاعدہ آغاز اس نے کب سے کیا؟ اور وہ کامیابی کے حصول کے لیے کس قدر سنجیدہ ہے؟ کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لیے سفر کا بروقت آغاز اور جستجو کی رفتار بھی اہم سوالات ہیں مگر اس سے بڑھ کر اہم سوال یہ ہے کہ کامیابی ہوتی کیا ہے؟ یقیناً کامیابی جس قدر اعلیٰ ہوگی اس کے تقاضے بھی اسی تناسب سے زیادہ ہوں گے۔

لوگوں کے ہاں کامیابی کے تصورات

کامیابی کے بارے میں لوگوں کے اپنے اپنے پیمانے اور معیار ہیں، جیسے مختلف اداروں میں امیدواروں کی مختلف شرائط ہوتی ہیں۔ کہیں اعلیٰ تعلیم کو، کہیں جسم اور قد کو، کہیں فن میں مہارت کو، کہیں وسیع تجربے کو، کہیں آواز کو اور کہیں حسن و جمال کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی طرح کئی لوگ اچھی ملازمت کو کامیابی سے تعبیر کرتے ہیں، کئی اچھے کاروبار کو، کئی زندگی کا اچھا ہمسفر مل جانے کو اور کئی شہرت اور عزت کے حصول کو۔ آپ نے دیکھا نہیں کوئی امتحان میں فیل ہوتا ہے تو خودکشی کر لیتا ہے، کوئی پسند کی شادی نہ ہونے پر موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ انھوں نے کامیابی یہی سمجھ رکھی تھی جب زندگی میں انھیں یہ نہ مل سکی تو انھوں نے زندگی بے مقصد سمجھ کر موت کو گلے لگا لیا۔ حالانکہ یہ بہت بڑی ناکامی ہے۔ اس کے برعکس اعلیٰ کردار کے حامل لوگ بھی چشم فلک نے دیکھے ہیں، جنھوں نے اللہ کی راہ میں زندگی قربان کر دینے کو ''کامیابی'' سے تعبیر کیا۔ لوگ ''زندگی'' کو کامیابی سمجھتے ہیں مگر انھوں نے زندگی راہ الٰہ میں لٹا کر اپنے آپ کو کامیاب سمجھا۔ یہ ہیں سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں 70 قراء کے ہمرکاب مہم پر روانہ کیا تھا۔ یہ ایک ٹانگ سے معذور تھے۔ دشمن نے امان دینے کا دھوکا دے کر ان پر قاتلانہ وار کرا دیا۔ حملے کے بعد زندگی کی کچھ رمق ان میں موجود تھی۔ اس اثنا میں انھوں نے جو لفظ کہے وہ رہتی دنیا تک حقیقی کامیابی کا درس دیتے رہیں گے، وہ لفظ کیا تھے؟ «اللّٰهُ أَكْبَرُ فُزْتُ وَرَبِّ الكَعْبَةِ» ''اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔'' (صحيح البخاري:4091) یہ ہے کامیابی!! بہرحال لوگوں کے بنائے ہوئے کامیابی کے تصورات میں حقیقی کامیابی کا ایک تصور قرآن مجید بھی دیتا ہے۔

قرآن مجید اور لوگوں کے ہاں تصورِ کامیابی کا بنیادی فرق

یہ بات تو طے ہے کہ انسانوں نے کامیابی کے جو تصورات قائم کیے ہیں اور جن کی دوڑ میں آج پوری انسانیت بلاامتیاز مذہب لگی ہوئی ہے، ان سارے تصورات کا ماحاصل دنیا اور اس کی آسائشیں، زیبائشیں اور سہولیات ہیں، جبکہ قرآن مجید کے جاری کردہ کامیابی کے تصور میں بنیادی نقطہ آخرت ہے۔ اگر قرآن مجید دنیا میں کسی عمل کو کامیابی قرار دیتا ہے تو وہ بھی اس لیے کہ اس کا نتیجہ آخرت ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر قرآن مجید کے تصور کامیابی کو اپنا لیا جائے تو دنیا میں کامیابی سے جینا، اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ اس پر گواہ ہیں۔ اس کے برعکس انسانیت کے تخلیق کردہ دشتِ کامیابی میں حقیقی کامیابی کا پھوٹنا ممکن نہیں کیونکہ ان دونوں کامیابیوں کے راہیوں کا زادِراہ بھی جداجدا ہے اور طرز عمل بھی مختلف۔ آپ نے دیکھا نہیں خود ساختہ کامیابی کی جستجو میں دنیا کس طرح غرق ہورہی ہے۔ یہ فرق بظاہر اتنا بڑا نہیں لیکن زندگی کا رخ، اس کے لیے سفر، اس کی منصوبہ بندی اور رفتار کار میں بہت نمایاں فرق ہے۔ بزبان اقبال ؎

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

ہم ذیل میں قرآن مجید کے بتائے ہوئے کامیابی کے تصور کو جانتے ہیں۔ پھر ہر شخص اپنے بنائے ہوئے تصور کامیابی سے اس کا موازنہ کرلے۔

قرآن مجید میں ''کامیابی'' کے مفہوم کے لیے الفاظ کا چناؤ

آگے بڑھنے سے قبل قرآن مجید میں ''کامیابی'' کا مفہوم ادا کرنے والے متعدد الفاظ اور ان کے معانی کا تذکرہ اور ان کے مابین فرق کو واضح کرنا مناسب رہے گا۔ کامیابی کا مفہوم ادا کرنے کے لیے قرآن مجید میں 3 مادے استعمال ہوئے ہیں: ① الفلاح ② الفوز ③ الظفر۔

الفلاح: الفلاح ایسی خیر، بھلائی یا نفع کو پالینا جس کے اثرات باقی رہیں۔ یعنی «الفلاحُ: نَيْلُ الخَيْرِ والنَّفعِ البَاقِي أَثْرُهُ» جیسے نماز ایک کامیابی ہے، اسی لیے اذان میں «حی علی الفلاح» ہے۔ نماز ادا کرنے کی صورت میں انسان کو جو کامیابی ملتی ہے اس کے اثرات اس کی زندگی پر باقی رہتے ہیں اور آخرت میں بھی اس کا ثواب ملے گا۔ اور ثواب بھی ایک بار نہیں بلکہ ملتا ہی رہے گا۔

قرآن مجید میں ''فلاح'' کا مادہ زیادہ تر ایسی صفات پر بولا گیا ہے جن کا تعلق عبادات اور اخلاق و کردار سے ہے۔ اور یہ کامیابی کی وہ قسم ہے جس کے اثرات برقرار رہتے ہیں جیسے ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ ''تحقیق کامیاب ہوگیا جس نے تزکیہ کرلیا۔'' یا ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ ''تحقیق وہ مومن کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں مکمل عجز کا اظہار کرتے ہیں......'' (المومنون 23:1،2) یہ وہ اعمال ہیں کہ جس نے ان کی لاج رکھی وہ کامیاب رہا۔ ایسے مواقع پر قرآن مجید ''فوز'' کی بجائے ''فلاح'' کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ تو پھر ''فوز'' کا مطلب کیا ہے۔ آئیے یہ بھی جانتے ہیں۔

الفوز: ''الفوز'' کا مادہ قرآن مجید میں 29 مقامات پر آیا ہے۔ اور یہ سب مقامات تقریباً آخرت سے متعلقہ ہیں۔ جیسا کہ ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ ''اہل جنت ہی اصل مراد پانے والے ہیں۔'' ''فوز'' کے مطلب میں دو چیزیں شامل ہیں: «الخَلَاصُ مِنَ الْمَكْرُوهِ مَعَ الوُصُولِ إِلَى الْمَحْبُوبِ» ''مکروہ اور ناپسندیدہ چیز سے چھٹکارا پا کر محبوب، مطلوب اور پسندیدہ چیز کو پالینا۔'' یہ ہے ''الفوز۔'' اب آپ حسب ذیل آیت مبارکہ کو پڑھیں تو آپ پر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت عیاں ہوگی: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ''تو جو کوئی آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو وہی بامراد ٹھہرا۔'' (آل عمران 3:185) اسی طرح یہ آیت مبارکہ بھی ہے: ﴿وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ''اور جسے تو نے اس دن مشکلات سے بچالیا تو تحقیق تو نے اس پر رحمت کردی اور وہ بہت بڑی کامیابی ہے۔'' (المؤمن

9:40) یعنی مشکلات، سختیوں اور ناپسندیدہ چیزوں سے بچا کر آسانیاں، خوشیاں اور پسندیدہ اور مرغوب و محبوب نعمتوں سے نوازنا ''الفوز'' کا مفہوم ہے۔ اور دنیا میں مشکلات، سختیاں ساتھ ساتھ ہیں اس لیے دنیا میں حاصل ہونے والی کامیابی کے لیے آپ کو ''فوز'' کا مادہ نہیں ملے گا۔

الظفر: اس مادے سے قرآن مجید میں ایک لفظ استعمال ہوا ہے اور وہی استعمال اس کے مفہوم کو متعین کررہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ﴾ ''وہی ذات ہے جس نے وادی مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے اس کے بعد کہ اس نے تمھیں ان پر فتح دے دی۔'' (الفتح 24:47) دشمن یا مقابل پر فتح حاصل کرنا ''ظفر'' کہلاتا ہے جسے ہم اردو میں مظفر یا ظفریاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی تناظر میں آپ حدیث نبوی ﷺ «فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ» یعنی دین والی خاتون سے شادی کرکے غلبے سے جی کے مفہوم کو سمجھ سکتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمیں اللہ تعالیٰ سے فلاح، فوز اور ظفر تینوں قسم کی کامیابیاں طلب کرنی چاہئیں۔

زندگی کا اہم ترین سوال

محترم قارئین! یاد رکھیے! یہ زندگی کا ایک اہم ترین سوال ہے۔ اسے اہمیت دینا ضروری ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید کی ابتدائی آیات ہی میں «المفلحون» کا تذکرہ ملتا ہے، یعنی کامیاب لوگ۔ بھلا کوئی انسان کامیابی کے بارے میں جانے بغیر اسے کیونکر حاصل کرسکتا ہے!!

کامیاب لوگوں کے اوصاف

قرآن مجید کی روشنی میں کامیابی سے ہمکنار ہونے والوں کے 34 اوصاف

آیات مبارکہ	شمار	کامیاب لوگوں کے اوصاف	وضاحت
﴿اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ٥ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ٥ اُولٰٓىِٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو آپ کی طرف اور آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر (گامزن) ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔'' (البقرة 2:3-5)	①	غیب، یعنی اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور جنت جہنم اور دوبارہ اٹھنے پر ایمان رکھنے والے	جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ''فلاح'' کے ضمن میں ایسے امور آتے ہیں جن کا تعلق عبادات اور اخلاق و کردار سے ہوتا ہے آپ ان آیات میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ قرآن مجید کے بالکل آغاز میں ''المفلحون'' کامیاب لوگوں کا تذکرہ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ قرآن مجید کامیاب زندگی گزارنے کے گر سکھاتا ہے۔
	②	نماز قائم کرنے والے	
	③	زکاۃ ادا کرنے والے	
	④	صدقہ وخیرات کرنے والے	
	⑤	آپ ﷺ پر جو کچھ اتارا گیا، اس پر ایمان رکھنے والے	
	⑥	سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام پر جو اتارا گیا، اس پر ایمان رکھنے والے	
	⑦	آخرت پر یقین رکھنے والے	
﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا﴾ ''اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو تحقیق وہ بڑی کامرانی سے ہمکنار ہوا۔'' (الأحزاب 33:71)	⑧	اللہ کی اطاعت کرنے والے	اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے باوجود مشکلات آتی ہیں۔ اس لیے فوز کا یہاں مطلب ہے وہ شخص آخرت میں کامیاب ہوگا۔
	⑨	رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والے	

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ ''اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اور اللہ کا خوف رکھا اور اس سے ڈرتا رہا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔'' (النور 52:24)	⑩ ⑪	اللہ کا خوف رکھنے والے اللہ کا ڈر رکھ کر نافرمانی سے بچنے والے	خشیت اور تقویٰ میں فرق یہ ہے کہ تقویٰ ایسے ڈر کو کہتے ہیں جس سے ڈرے، اس سے بچنے کی کوشش بھی کرے مگر خشیت میں یہ ضروری نہیں۔
﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''تو وہ لوگ جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی تائید کی اور ان کی نصرت کی اور اس نور کی پیروی کی جو آپ ﷺ کے ساتھ اتارا گیا، وہی لوگ کامیاب ہیں۔'' (الأعراف 157:7)	⑫ ⑬ ⑭	نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والے نبی کریم ﷺ کی مکمل نصرت و حمایت کرنے والے وحی کی پیروی کرنے والے	«عَزَّرُوْہ» کے معنی ہیں کہ آپ ﷺ کو دشمن کے ہر قسم کے حملوں سے مکمل تحفظ فراہم کرنا، خواہ وہ جانی ہوں یا عزت و ناموس سے متعلقہ ہوں لیکن اس میں تعظیم کی شرط بھی ہے۔ بادشاہوں کی طرح نہیں جن کی حمایت پیشہ وارانہ طور پر کی جاتی ہے یا محض مجبوری کی بنیاد پر۔
﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے اللہ کے راستے میں جہاد کیا، وہ اللہ کے ہاں درجے میں بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔'' (التوبة 20:9)	⑮ ⑯	ہجرت کرنے والے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے	لوگ آج بھی اپنے علاقے چھوڑتے ہیں مگر دنیا کی خاطر۔ اور وہ یہ بھی ملحوظ نہیں رکھتے کہ بلادِ غیر میں ہم اپنا ایمان بھی محفوظ رکھ پائیں گے یا نہیں۔
﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، برائی سے روکے اور وہ لوگ وہی ہیں کامیاب۔'' (آل عمران 104:3)	⑰ ⑱ ⑲	بھلائی کی طرف دعوت دینے والے نیکی کا حکم دینے والے برائی سے روکنے والے	''لوگ ہمیں شدت پسند نہ سمجھیں'' کے پیش نظر اچھے بھلے دیندار بھی یہ فریضہ انجام نہیں دیتے۔
﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''پس قرابت دار کو اس کا حق دے، اور مسکین کو اور مسافر کو، یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے چہرے (کی خوشی کو) چاہتے ہیں۔ اور وہ لوگ وہی کامیاب ہیں۔'' (الروم 38:30)	⑳ ㉑ ㉒	رشتے داروں کے حقوق کا خیال رکھنے والے مسافروں کے حقوق کی پاسداری کرنے والے ہر قسم کی نیکی سے اللہ کی رضا کے متلاشی	حقوق کی ادائیگی خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کی جائے۔ اپنے مقاصد کے حصول یا زیربار کرنے کے لیے یا احسان جتلانے کے لیے نہ ہو۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى o وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ ”تحقیق کامیاب ہوا جس نے اپنا من پاک صاف کرلیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز پڑھی۔“ (الاعلیٰ 15,14:87)	23 24	اپنا اندر اور اپنا من پاک کرنے والے اور اپنے عقیدے کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے والے رب تعالیٰ کا ذکر کرنے والے	ظاہری طہارت و نظافت کے لیے طہارت اور من کی صفائی کے لیے تزکیہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ ظاہری طہارت سے بھی مشکل ہے۔
﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ﴾ ”اور وہ مومن بھی کامیاب ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“ (المؤمنون 5:23)	25	ہر قسم کی جنسی بے راہ روی سے بچنے والے	جو بھی سوچ، نظر، سماعت یا حرکت غلط راہ پر ڈالتی ہو اس سے کنارہ کشی۔
﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ ”اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی مکمل پاسداری کرنے والے ہیں۔“ (المؤمنون 8:23)	26 27	امانتوں کی پاسداری کرنے والے عہد نبھانے والے	عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وعدہ تبھی ہوگا جب وعدے کا لفظ بولیں گے۔ مگر کسی سے کوئی بات طے کرلینا بھی عہد ہے۔
﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ ”اور وہ مومن بھی کامیاب ہیں جو فضولیات سے بے رخی کرنے والے ہیں۔“ (المؤمنون 3:23)	28	فضول اور بے مقصد کاموں اور باتوں سے اجتناب کرنے والے	حدیث ہے: ”ایک مسلمان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ فضول باتوں اور کاموں سے کنارہ کش ہوجائے۔“
﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ”اور جو کوئی نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔“ (الممتحنة 16:64)	29	دنیا اور اس کے متعلقات کی حرص نہ کرنے والے۔	طمع سے بچ کر خودداری کا مظاہرہ کرنے والے۔ اس کے معنی ”نفس کی بخیلی“ کیے جاتے ہیں مگر بخیلی دنیا کی حرص کا ایک نتیجہ ہے۔ جبکہ آیت وسیع تر مفہوم رکھتی ہے۔
﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ”مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان (جھگڑے) کا فیصلہ کریں تو مومنوں کی تو یہی بات ہوتی ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔“ (النور 51:24)	30	اللہ اور رسول ﷺ کے فیصلوں پر دل و جان سے راضی ہونے والے	جھگڑوں کے فیصلے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف جانا بھی ضروری ہے۔ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف۔ اور ان فیصلوں کو دل و جان سے ماننا بھی ضروری ہے۔

﴿وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اور اللہ کے فضل میں سے (حسب قسمت) تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔'' (الجمعة 10:62)	31 32	جائز اور حلال کمائی کا اہتمام کرنے والے اپنے کام کاج میں بھی اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے	میرے علم کے مطابق یہ واحد آیت ہے جس میں رزق کی تلاش کے بعد کامیابی کا تذکرہ آیا ہے۔ اور رزق کو بھی اللہ کا فضل کہا گیا ہے۔ یعنی کامیابی کے حصول میں دنیا کی تلاش اللہ کا فضل سمجھ کر کی جائے نہ کہ اللہ کی بغاوت اور نافرمانی کر کے۔
﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''تو جن کی (نیکیوں کے) میزان (کے پلڑے) بھاری ہو گئے تو وہی لوگ کامیاب ٹھہریں گے۔'' (الأعراف 8:7)	33	نیکیوں کا پلڑا بھاری رکھنے والے	گناہ کا سرزد ہو جانا بڑی بات نہیں مگر نیکیاں اس سے بھی زیادہ ہوں تا کہ نیکیوں کا پلڑا جھکا رہے۔
﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''آپ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی قوم کو ان لوگوں سے باہمی محبت کرنے والا نہیں پائیں گے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی۔ اگرچہ وہ ان کے آباء واجداد، بیٹے (پوتے)، بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے روح (الامین) کے ذریعے ان کی تائید کی ہے۔ اور وہ انھیں جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ وہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں۔ خبردار! بے شک اللہ کی جماعت ہی کامیابی سے ہمکنار ہونے والی ہے۔'' (المجادلہ 22:58)	34	اللہ کی جماعت میں شامل ہونے والے۔	اس جماعت کی صفات کیا ہیں؟ (ا) اللہ پر ایمان (ب) یوم آخرت پر ایمان۔ (ج) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں سے نفرت رکھنا۔ (د) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی کو خاطر میں نہ لانا (ہ) اللہ کی رضا کو تلاش کرتے رہنا۔ حزب اللہ'' کا نام رکھنے سے کوئی جماعت اللہ کی جماعت نہیں بن جاتی۔ مطلوبہ صفات اپنا کر ہی اللہ کی جماعت میں شامل ہوا جا سکتا ہے۔ نام ''حزب اللہ'' رکھا ہو اور مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کا ساتھ دیا جا رہا ہو تو یہ محض دھوکا ہے جو میڈیا کو دیا جا سکتا ہے مگر اللہ کو نہیں۔

محترم قارئین کرام! قرآن مجید میں کامیابی کے حصول کا جس قدر بھی شوق دلایا گیا ہے اور جس قدر تعلیم و ترغیب دی گئی ہے، ان سب کا تعلق پختہ ایمان، عمل صالح اور عمدہ اخلاق و کردار سے ہے۔ گویا قرآن مجید کامیابی سے زندگی گزارنے کے گر بتا کر آخرت میں کامرانی سے ہمکنار ہونے کا درس دیتا ہے۔ میرے علم کی حد تک صرف ایک جگہ اللہ کا فضل، یعنی رزق تلاش کرنے کو ذکر الٰہی سے منسلک کر کے اسے کامیابی قرار دیا گیا ہے۔ اور ساتھ یہ بتا دیا گیا ہے کہ رزق تلاش کرنے میں اللہ کا ذکر، اس کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہیں ہونا۔ اور یہی کامیابی ہے۔ مگر آج انسانیت نے عبادات، اعلیٰ اقدار، اخلاق و اطوار، عقائد و نظریات الغرض! سب کچھ بھلا کر دنیا کے حصول کو کامیابی مان لیا ہے، بلکہ متفقہ طور پر طے کر لیا ہے، جبکہ وہ کامیابی کا صرف ایک فیصد ہے۔ اس ایک فیصد کے لیے ساری تگ و دو ہے اور حقیقی کامیابی کے لیے جستجو نہ ہونے کے برابر ہے۔ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللّٰه.

قرآن مجید کی روشنی میں ناکام رہنے والے

قرآن مجید نے جہاں کامیاب لوگوں کا تذکرہ کیا ہے وہاں دنیا میں ناکام زندگی گزارنے والوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہ بدنصیب یہ ہیں:

① کافر: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ”حقیقت یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔“ (المؤمنون 23:117)

② اللہ پر جھوٹ باندھنے والے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ ”بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔“ (النحل 16:116)

③ ظالم: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ”ظالم فلاح نہیں پا سکتے۔“ (الأنعام 6:135)

④ مجرم: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ ”مجرم فلاح نہیں پاتے۔“ (یونس 10:17)

⑤ جادوگر: ﴿وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴾ ”اور جادوگر فلاح نہیں پاتے۔“ (یونس 10:77)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حقیقی کامیابی سے بہرہ ور کر کے اسے حاصل کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین!



ہمتِ مرداں مددِ خدا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ» ”جو چیز بھی تم کو نفع دے اس کے حصول کے لیے خاطر خواہ صلاحیتیں صرف کرو اور اللہ سے مدد طلب کرو اور ہمت نہ ہارو۔“ (صحیح مسلم: 2664)

اس روایت کے عموم سے ہر نفع بخش علم و فن کو دلجمعی سے حاصل کرنے کا ولولہ ابھرتا ہے۔



غصے سے بچ جاؤ

الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
ترجمہ واختصار: حافظ ابوسفیان عباس میرمحمدی

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَغْضَبْ» ''غصہ نہ کیا کرو۔'' اس نے اپنی بات کئی بار دہرائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَغْضَبْ» ''غصہ نہ کیا کرو۔'' (صحيح البخاري: 6116)

مفردات حدیث

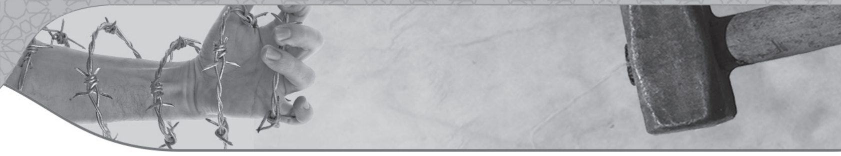
«قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوْصِنِيْ» وصیت: اس عہد کو کہتے ہیں جو کسی اہم معاملے کے بارے کسی شخص کے سپرد کیا جائے۔ جیسا کہ کوئی آدمی اپنی چھوٹی اولاد وغیرہ پر اپنے مال کے ثلث کی وصیت کرے۔

«قَالَ: لَا تَغْضَبْ» غضب: (غصہ) کی وضاحت نبی ﷺ نے خود کی ہے۔ فرمایا: ''یہ ایک انگارہ ہے جسے شیطان ابن آدم کے دل میں داخل کر دیتا ہے۔'' (جامع الترمذي: 2191) پھر دل غصے سے کھولتا ہے تو اس کے نتیجے میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، رگیں پھول جاتی ہیں اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: ''غصہ نہ کیا کرو۔'' کے کیا یہ معنی ہیں کہ تجھ سے غصہ ظاہر نہ ہو یا یہ معنی ہیں کہ غصے پر عمل نہ کر؟

اگر ہم پہلا معنی مراد لیں تو اس پر قابو پانا بہت مشکل کام ہے کیونکہ لوگ اس معاملے میں بہت زیادہ مختلف ہیں، لیکن ہماری اس بات کہنے کا کوئی مانع نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے اس فرمان سے مراد طبیعی غصہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود کو (غصے کے لیے) تیار کرنا اور اپنے آپ کو معاملے میں ٹھنڈک پہنچانا۔

رہا دوسرا معنی: تو اس غصے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے تو یہی حق ہے اسی لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔ پھر کلمہ «لَا تَغْضَبْ» میں غصے کی کس صورت سے منع کیا گیا ہے؟ اگر ہم الفاظ کے ظاہر کو دیکھیں تو طبیعی غصے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہ بہت



مشکل مرحلہ ہے اور اس کی ممکن وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اسے اس بات پر محمول کیا جائے کہ غصے کے اسباب کے وجود کے وقت خود پر کنٹرول کرنا مراد ہو۔

فوائد الحدیث

① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر نفع مند چیز پر بہت حریص تھے، اس آدمی کے اس قول کی وجہ سے کہ مجھے وصیت کیجیے۔ صحابہ کرام جب حق کو جانتے تو وہ صرف بطور علم کے نہیں جانتے تھے، بلکہ عمل کرنے کے لیے جانتے تھے۔ حالانکہ اکثر لوگ جب کسی مسئلہ کا حکم پوچھتے ہیں تو صرف جاننے کے لیے پوچھتے ہیں عمل کرنے کے لیے نہیں۔

② اس حدیث مبارکہ سے بڑا اہم قاعدہ معلوم ہوا کہ مخاطب جب بھی بات کرے تو موقع کی مناسبت سے بات کرے، جب یہ بات ثابت ہوگئی تو پھر ہم پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے کس لیے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کی ہے؟ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ان لوگوں کو جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمھیں بھی تاکیدی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرو۔“ (النسآء 4:131)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر انسان کو جو اس کا حال تقاضا کرتا ہے اس سے خطاب کیا جاتا ہے گویا کہ نبی ﷺ نے پہچان لیا کہ یہ غصے والا ہے تو آپ نے اسے اس کی وصیت کردی۔

دوسری مثال: ایک آدمی آپ کے پاس آتا ہے کہ مجھے کوئی وصیت کریں اور آپ اسے جانتے ہیں کہ یہ شریر آدمی ہے تو آپ اسے اس موقع پر وصیت کریں کہ آپ برے لوگوں کی صحبت کو ترک کریں۔

اسی طرح ایک اور آدمی آپ کے پاس آکر نصیحت طلب کرتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ یہ اپنے گھر والوں سے برا سلوک کرتا ہے تو آپ اسے وصیت کریں کہ اپنے گھر والوں سے حسن سلوک کریں۔ لہٰذا لوگوں کو حسب حال نصیحت فرمانی چاہیے۔

③ اس حدیث میں غصے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ غصے کے بہت سے مفاسد ہیں۔ بہت سے لوگ غصے کی وجہ سے طلاق دیتے ہیں پھر اس کے متعلق پوچھتے پھرتے ہیں۔ اور کتنے ہی لوگ غصے میں کہہ دیتے ہیں میں اس سے بات نہیں کروں گا پھر اس پر نادم ہوتے ہیں۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ جب غصے کا سبب پایا جائے تو اس غصے کا علاج ہے؟

جواب: ہم کہیں گے کہ اس کی دوا لفظی بھی ہے اور فعلی بھی۔

لفظی دوا (علاج): جب بندہ غصہ محسوس کرے تو «اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيمِ» پڑھے کیونکہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو شدید غصے میں دیکھا تو آپ نے فرمایا: ”میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص وہ کلمہ پڑھ لے تو اس سے وہ چیز یعنی غصہ چلا جائے۔ پھر آپ نے کہا: وہ کلمہ ہے: «اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ» (صحيح البخاري: 3282، و صحيح مسلم: 2610)

فعلی (عملی) علاج: جب آدمی کھڑا ہو تو وہ بیٹھ جائے، اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، کیونکہ اگر ظاہری حالت بدلے گی تو باطنی حالت خود بخود بدل جائے گی۔ اگر پھر بھی نہ ختم ہو پھر وہ وضو کرے کیونکہ وضو میں مشغول ہونے سے غصہ بھول جائے گا اور وضو غصے کی حرارت کو بجھا دے گا۔

سوال: کیا اسی پر اکتفا کیا جائے گا؟

جواب: اسی پر اکتفا کرنا لازم ہے۔

④ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دین اسلام برے اخلاق سے روکتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا تَغْضَبْ» ”غصہ نہ کیا کرو۔“ لہٰذا برے اخلاق سے منع کرنا، اچھے اخلاق کا حکم دینے کو مستلزم ہے، لہٰذا خود کو تحمل مزاجی اور عدم غصہ کا پیکر بناؤ۔ ایک اعرابی نے نبی ﷺ کی چادر کو کھینچا، یہاں تک کہ اس کے نشان آپ ﷺ کی گردن پر پڑ گئے، پھر آپ نے اس اعرابی کی طرف مڑ کر دیکھا اور آپ ﷺ مسکرا رہے تھے۔ (سنن أبي داود: 4775)

چنانچہ اگر اس طرح کا کام کوئی دوسرا شخص کسی آدمی کے ساتھ کرے تو مشکل ہی ہے کہ اسے غصہ نہ آئے۔

لہٰذا بردباری کو لازم پکڑو جس قدر ممکن ہوسکے حتی کہ آپ کا دل راحت وسکون حاصل کرلے اور غصے، تہمت تراشیاں اور دیگر موذی بیماریوں سے خود کو دور رکھیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں غصے جیسی موذی بیماری سے محفوظ رکھے اور ہم کو حلم و بردباری اور حسن اخلاق کا پیکر بنائے۔ آمین



غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث

ابوانس

① زبان کو روک لو......!

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جن میں سیدنا ابن مسعود، ثوبان اور ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا، وَإِذَا ذُكِرَ النُّجُومُ فَأَمْسِكُوا، وَإِذَا ذُكِرَ الْقَدْرُ فَأَمْسِكُوا» ''جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں (نازیبا) بات چلے تو بات کرنے سے رک جاؤ اور جب ستاروں کا (غلط انداز سے) تذکرہ ہو تو بھی رک جاؤ اور جب تقدیر کے بارے میں (سوالات اٹھ رہے ہوں) تو بھی رک جاؤ۔'' (السلسلة الصحيحة: 33/1، حديث: 34)

جیسے عقیدے اور تقدیر کے معاملے میں غلط فہمیاں پیدا ہونے پر اس موضوع پر بات کرنے سے روکا گیا ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کے خطرے سے روک دیا گیا ہے۔

② یہ میرا ہاتھ تیرے ہاتھ میں ہے!

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِنِسَائِكُمْ فِي الْجَنَّةِ؟ كُلُّ وَدُودٍ وَلُودٍ، إِذَا غَضِبَتْ أَوْ أُسِيءَ إِلَيْهَا أَوْ غَضِبَ زَوْجُهَا، قَالَتْ: هٰذِهِ يَدِي فِي يَدِكَ لَا أَكْتَحِلُ بِغَمْضٍ حَتّٰى تَرْضٰى» ''کیا میں تمھیں جنتی عورتوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اپنے خاوند سے ٹوٹ کر محبت کرنے والی اور زیادہ بچوں کی ماں، جب وہ ناراض ہو یا اس سے ناروا سلوک ہو یا اس کا خاوند اس سے ناراض ہو تو وہ اپنے خاوند سے کہے: ''یہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہے، میں سو کر بھی نہیں دیکھوں گی جب تک آپ راضی نہ ہو جائیں۔'' (المعجم الأوسط: 242/2، حديث: 1764)

③ قرض اتارنے کی کوشش

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ حَمَلَ مِنْ أُمَّتِي دَيْنًا ثُمَّ جَهِدَ فِي قَضَائِهِ فَمَاتَ وَلَمْ يَقْضِهِ فَأَنَا وَلِيُّهُ» ''میری امت میں سے جس بھی شخص نے قرض لیا پھر اس کو اتارنے کی پوری کوشش کی اور اس حالت میں فوت ہو گیا کہ قرض نہیں اتار سکا تو میں اسے پورا کروں گا۔'' (مسند أحمد: 74/6)

اگر ایک شخص پوری کوشش کرتا ہے مگر قرض اتار نہ سکے تو اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا قرض اتارے۔ قرض نہ اتارنے والے کے لیے سخت وعید ہے مگر ایسی صورت میں اس کا ساتھ دینا بھی مسلم معاشرے کے لیے ضروری ہے۔

④ جنت میں نیند نہیں آئے گی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے: «النَّوْمُ أَخُو الْمَوْتِ وَلَا يَنَامُ أَهْلُ الْجَنَّةِ» ''نیند موت سے مشابہت رکھتی ہے اور اہل جنت سوئیں گے نہیں۔'' (السلسلة الصحيحة: 161/3، حديث: 1087)



مشہور مگر ضعیف یا موضوع روایات

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے دعا کی استدعا

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عمرہ پر جانے کی دعا کی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دی اور فرمایا: «لَاتَنْسَنَا يَا اَخِي مِنْ دُعَائِكَ» ''اے میرے بھائی ہمیں اپنی دعا میں مت بھولنا۔'' (سنن أبي داود:1498، جامع الترمذي: 3562، وقال حسن، سنن ابن ماجه: 2899، مسند أحمد: 25/1)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے: عاصم بن عبیداللہ عن حاتم بن عبداللہ عن ابیہ، اس سند میں عاصم بن عبیداللہ بن عاصم ضعیف راوی ہے۔ (انظر تقريب التهذيب، رقم: 3065) نیز اسے احمد بن حنبل، ابن معین، ابن سعد جوزجانی، بخاری، نسائی، دارقطنی اور ابن عدی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ ابو حاتم نے منکر الحدیث اور مضطرب الحدیث قرار دیا ہے۔ (انظر تهذيب التهذيب: 43/5، المغنی فی الضعفاء للذهبی: 321/1)

فائدہ

اس روایت کو عاصم بن عبیداللہ سے ثقہ راویوں کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ جیسے شعبہ، قبیصہ، قاسم بن یزید اور وکیع نے سفیان ثوری سے یہ قصہ بیان کیا ہے۔ سمعانی نے ادب الاملاء، ص: 36 میں شعبہ عن عاصم کی سند سے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد 396/11 میں اسباط عن سفیان الثوری عن عبیداللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے۔

① اسباط بن محمد اگرچہ ثقہ ہے تاہم سفیان ثوری سے ان کی روایات ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: «ثقة ضعف فی الثوری» ثقہ ہے، ثوری کی روایت میں اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ (التقریب 320) اور یحییٰ بن معین نے فرمایا: تاہم ثوری سے احادیث بیان کرنے میں یہ غلطیاں کرتا تھا۔ (التاریخ لابن معین روایة الدوری، رقم: 3085)

② اسباط کی یہ روایت ثقات کی روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ اس روایت کو شیخ احمد محمد شاکر نے مسند احمد کی شرح 240/1 اور محدث العصر ناصر الدین البانی نے ضعیف الجامع، ص: 906 میں ضعیف قرار دیا ہے۔

③ اسباط بن محمد کی یہ روایت اگر سفیان ثوری سے ثابت ہوتی تو بھی ان کی تدلیس (یعنی صیغہ عن) کی وجہ سے ضعیف اور مردود تھی۔

② ہر سچ کی ایک حقیقت ہوتی ہے

سیدنا حارث بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے حارث! تم نے کس حالت میں صبح کی ہے۔ سیدنا حارث نے عرض کیا: میں نے سچے مومن کی حیثیت سے صبح کی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اے حارث دیکھو! تم کیا کہہ رہے ہو، یقیناً ہر سچ کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ حارث نے عرض کیا: کیا میں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی، اور اپنے دن کے اوقات میں پیاسا نہیں رہا، (دن میں روزے سے رہا) اور اپنی رات میں (قیام اللیل کے لیے) جاگتا رہا گویا کہ میں اپنے رب

بقیہ صفحہ نمبر 23 پر



دشمن پر غلبہ

کیسے ممکن ہے؟

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق

پاک بھارت کشیدگی کے تناظر میں بہترین رہنمائی اور غزوہ ہند

خطبہ مسنونہ کے بعد:اَمَّابَعْدُ، فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ:﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِہٖ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا o وَّاِذًا لَّاٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِیْمًاo وَّلَھَدَیْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا﴾ (النسآء 66:4-68)

ان آیات مبارکہ میں اللہ رب العزت نے ہم پر ایک ذمہ داری عائد کی ہے۔ اگر ہم وہ ذمہ داری نبھانے میں اور انجام دینے میں کامیاب ہوجائیں تو اللہ رب العزت نے اس کے بدلے ہم سے چار وعدے فرمائے ہیں۔ یعنی یہ ایک ذمہ دری تم سمجھ لو اور صحیح طور سے ادا کرنے میں کامیاب ہوجاؤ تو ہم اس کے بدلے چار نعمتیں عطا فرمائیں گے۔ وہ ذمہ داری کیا ہے؟ ﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِہٖ﴾ صرف وہ کام کرتے رہو جس کام کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے۔ ﴿وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ ''جو کچھ میرا رسول تمھیں دے اور جس چیز کی تمھیں نصیحت کرے اسے تم اپنالو۔ اور جس چیز سے روکے اس سے باز آجاؤ۔'' (الحشر 7:59) بس یہ ایک ذمہ داری ہے۔ جب بھی دیکھو رسول کی طرف دیکھو اور جب بھی سنو رسول کی بات سنو اور جب بھی عملی جامہ پہناؤ تو رسول کے فرمان اور آپ کی سنت اور آپ کے ارشاد گرامی کو پہناؤ۔ اس کے سوا کسی اور طرف نہ دیکھنے کی ضرورت ہے نہ جھانکنے کی اور نہ کہیں جانے کی۔ دنیا میں دعوتیں بہت ہوں گی، نظریات بہت ہوں گے اور دعوت دینے والے بھی بہت ہوں گے، ثقافتیں اور تہذیبیں بہت ہوں گی مگر تم اس ذمہ داری پر پورے وثوق کے ساتھ قائم ہوجاؤ، بس صرف رسول کی نصیحت کو سننا ہے، اسی کو ماننا ہے اور اسی کو اپنانا ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں اور زمانے کے ظروف کچھ بھی ہوں اس کے سوا نہ کہیں جھانکنا ہے اور نہ ہی کسی کی بات کو سننا ہے۔ ﴿فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا﴾ (الروم30:30) اپنا چہرہ دین کی طرف سیدھا کرلینا ہے اور دین ہی کو اپنانا ہے۔ بس یہ ایک ذمہ داری ہے۔ اس کے چار نتیجے ہیں اور چار نعمتیں اس کے بدلے اللہ پاک نے عطا فرمانے کے وعدے فرمائے ہیں: ① ﴿لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ﴾ ہر قسم کی خیر تمھیں عطا فرمادیں گے۔ اور اس کے برعکس ہر قسم کے شر سے، نقصان سے تمھاری حفاظت فرمائیں گے۔ یہاں خیر خیرِ مطلق ہے۔ خواہ وہ دنیا کی خیر ہو یا مرنے کے بعد قبر کی خیر ہو یا پھر کل جب قیامت قائم ہوگی تو روز حشر کی خیر ہو۔ خیرِ مطلق کا وعدہ ہے۔ ہر قسم کی خیر تمھاری جھولی میں ڈال دیں گے۔ خیر عظیم۔ اللہ رب العزت جس چیز کو خیر فرماتا ہے وہ کتنی بڑی خیر ہوگی؟ ہمارے تصورات سے بڑھ کر۔ یہ ایک وعدہ ہے۔ ② ﴿وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا﴾ اور تمھیں دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی دیں گے، فتوحات عطا



فرمائیں گے، نصرت اور غلبہ عطا فرمادیں گے۔ اورتم سے دشمن کا ہر قسم کا رعب نکال دیں گے۔ تمھیں طاقتور کردیں گے اور فتح اور غلبہ عطا فرمائیں گے۔ بس تمھاری ذمہ داری یہی ہے کہ وہی کام انجام دیتے رہو جو تمھیں میرا رسول دیتا ہے، ﷺ۔ پوری مضبوطی اور پختگی کے ساتھ اسی پر قائم رہو۔ یہ غلبہ اور نصرت عطا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ تمھارے قدموں کو ثبات عطا فرمانا ہماری ذمہ داری ہے۔ خالق کائنات کی طرف سے یہ ایک عظیم وعدہ ہے۔ ③ تیسری نعمت یہ ہے: ﴿وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اپنی طرف سے ہم اجر عظیم اور ثواب کثیر بھی عطا فرمائیں گے۔ ④ چوتھی نعمت یہ ہے: ﴿وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ صراط مستقیم کی ہدایت پر ثابت قدمی عطا فرمادیں گے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے یہ چار عظیم الشان انعام ہیں، احسان ہیں۔ ان کے مقابلے میں ذمہ داری صرف ایک ہی عائد کی گئی ہے اور وہ رسول کریم ﷺ کی سچی اتباع ہو اور آپ کی سچی محبت ہو۔ جو صرف اسی حقیقت پر منتج اور قائم ہو کہ بس رسول کا کہنا ماننا ہے اور آپ ہی کی فرمانبرداری کرنی ہے۔ آج اس فرمان پر عمل کرنا ہم سب کی ضرورت ہے کیونکہ ایک عظیم وعدہ اس فرمان کے اندر موجود ہے۔ ﴿وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی۔ آج ہمیں دشمن کی گیدڑ بھبکیوں کا سامنا ہے، کھوکھلی دھمکیوں کا سامنا ہے اور ہوسکتا ہے یہ قوم جنگ میں جھونک دی جائے۔ اور ہر جنگ کی تیاری دو قسم کی ہوتی ہے: ① مادی تیاری، ظاہری اسباب اختیار کرنے کی تیاری۔ ② معنوی اور روحانی تیاری۔ مسلمان جو جنگ جیتتے ہیں وہ مادی تیاری سے زیادہ معنوی، دینی اور روحانی تیاری سے جیتتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے یہاں ثابت قدمی عطا فرمانے کے لیے رسول کی غلامی اختیار کرنے کی ہدایت دی ہے کہ ان کے سچے غلام بن جاؤ اور سچا تعلق ان کے ساتھ جوڑ لو۔ یہ فتح کی اساس ہے اور غلبے کی سب سے قوی بنیاد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کا جو سب سے پہلا امر ہے جو آپ کی نصیحت ہے وہ اللہ رب العزت کی توحید کے تعلق سے ہے۔ آپ کی پہلی دعوت اور آپ کے مشن کا آغاز قولوا لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اس بات کا اقرار اور اعتراف کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حق نہیں ہے۔ معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں، بہت سی درگاہیں اور بہت سے آستانے مگر وہ سب جھوٹے ہیں۔ سچا اور حق معبود صرف اللہ رب العزت ہے جس کا صحیح معنی میں اقرار اور اعتراف کرنا ہے۔ اس کا صلہ کیا ہے؟ «تُفْلِحُوا» تم فلاح پا جاؤ گے اور کامیاب قرار پا جاؤ گے۔ (مسند أحمد: 492/3) یہ آپ کی پہلی دعوت ہے اور آپ کے مشن کا نقطہ آغاز ہے۔ اور اس مشن کی آبیاری کرنے والوں کے لیے کامیابی کی بشارت ہے۔ تمھاری فلاح اور کامیابی لا الٰہ الا اللہ پر قائم ہے۔ اللہ رب العزت کی توحید پر قائم ہے۔ جو آیت استخلاف ہے جس میں تمکین فی الارض کے وعدے ہیں اس میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے: ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا﴾ (النور 55:24) ہم زمین کا غلبہ کب دیں گے؟ اور زمین کی طاقت کب عطا فرمائیں گے جب یہ بندے میری عبادت کریں گے اور اس عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ گویا توحید خالص اس تمکین، نصرت اور غلبے کی اساس ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا یہاں وعدہ ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ کہ جس چیز کی نصیحت کی جاتی ہے صرف اسی کو اختیار کرلیں، اپنا لیں تو بہت سے وعدوں کے ساتھ ساتھ ﴿وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا﴾ تمھیں ایک ایسی ثابت قدمی عطا فرمائیں گے کہ تمھارے مقابلے میں ہر محاذ پر دشمنوں کے پاؤں اکھڑ جائیں گے اور غلبہ اور ثبات تمھارا ہی مقدر بنے گا اور تمھیں ہی عطا کیا جائے گا۔ ہاں اگر کبھی غلبہ اور ثبات کے تقاضے پورے نہ ہوں تو اس میں ضرور تمھاری طرف سے کوئی کمی ہے۔ اور اگر کمی نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا امتحان ہے۔ اللہ اپنے پیاروں کو آزماتا ہے، ان کا امتحان لیتا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ میرے کچھ بندوں کا خون میری راہ میں گرے اور بہے۔ اور یہ خون اور یہ شہادتیں نصرت کی نوید ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کردیتی ہیں۔ ایک بندے کی سب سے قیمتی شے اس کی جان ہے۔ اور جب وہ جان بھی اللہ کے دین کے لیے قربان کردیتا ہے اور خون کا نذرانہ بھی پیش کردیتا ہے اللہ تعالیٰ خوش ہوجاتا ہے۔ جب وہ خوش ہوتا ہے تو پھر وہ فتح، نصرت، غلبہ اور مغانم کثیرہ عطا فرمادیتا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ ان بنیادی امور کو سمجھا جائے۔ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ رسول کریم ﷺ کی نصیحتوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے اور آپ کے دین کو ہمیشہ ہر شے پر



ترجیح دی جائے اور آپ کے مشن کی آبیاری کی جائے جو کہ نشر توحید اور غلبہ توحید ہے۔ اگر ایک قوم اسلام قبول کرنے کے باوجود اعتقادی اعتبار سے ضعف کا شکار ہوجائے اور کمزوری کا شکار ہوجائے تو پھر وہ قوم دشمن کے مقابلے میں مغلوب ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نصرت کے وعدے ہیں وہ تو توحید خالص اور اتباع خالص پر قائم ہیں۔

اللہ رب العزت ظاہری وسائل کا محتاج نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں نبی ﷺ کی ایک حدیث ہے: «لَنْ يُغْلَبَ اِثْنَا عَشَرَ أَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ إِذَا صَبَرُوا وَصَدَقُوا» مسلمانوں کی تعداد صرف بارہ ہزار ہو تو پوری دنیا بھی انھیں مغلوب نہیں کرسکے گی۔ پوری دنیا بھی ان کا نقصان نہیں کرسکے گی۔ اور ان پر غلبہ نہیں پاسکے گی۔ ہاں دو شرائط ہیں: «إِذَا صَبَرُوا وَصَدَقُوا» ایک یہ کہ وہ صبر کرنے والے ہوں اور دوسرے سچے ہوں۔ (سنن أبي داود: 2611، و مشكل الآثار: 63/2) بس یہ دو شرائط ہیں۔ صبر، صبر و عزیمت یہ ایک عظیم مقام ہے جو انبیاء و صدیقین اور صالحین کا زیور ہے۔ صبر کی تین قسمیں ہیں: ① صبر على الطاعة۔ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں اور فرامین کو قبول کرکے صبر کرنا۔ حج صبر کا نام ہے، نماز، روزہ، وضو، زکاۃ یہ سارے امور صبر کا نام ہیں۔ ② صبر عن المعاصي۔ جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول نے روکا ہے ان سے باز آجانا اور پہلو تہی برتنا یہ بھی ایک صبر ہے۔ زنا کو چھوڑنا یہ صبر ہے، کسب حرام کو چھوڑنا صبر ہے۔ تمام معاصی، ان سے کنارہ کشی یہ صبر شمار ہوتی ہے۔ ③ صبر على اقدار اللہ۔ ایک بندے کے بارے میں اللہ رب العزت کی تقدیر کے جو فیصلے ہیں انھیں قبول کرکے صبر کرنا، مثلاً: بیماری ہے، دکھ درد ہے۔ سب تقدیر کے فیصلے ہیں۔ نقصانات ہیں، ان سب کو اللہ کا امر قرار دے کر ان پر صبر کرنا۔ یہ صبر ہے، منہج صبر ہے۔ اگر یہ بارہ ہزار کی تعداد ان ساری صبر کی اقسام کے ساتھ صبر کا حق ادا کردیں۔ «وَصَدَقُوا» اور ساتھ ساتھ سچے ثابت ہوجائیں، صدق کے منہج کو اپنالیں اور قبول کرلیں۔ صدق صرف گفتگو کی سچائی کا نام نہیں ہے جس کو صدق مقال کہا جاتا ہے یا صدق گفتار کہا جاتا ہے بلکہ سچائی اللہ تعالیٰ کے حق میں ہو اور اللہ کے رسول کے حق میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی یہ ہے کہ اس کی توحید کو دل و جان سے قبول کرلے اور اس کی توحید کا سچا خادم بن جائے۔ اس کے ساتھ سچا تعلق جوڑ لے۔ ایسا تعلق جو کہ اس کی فرمانبرداری کرے۔ اور ایسا تعلق کہ کبھی اس کی نافرمانی سرزد ہوجائے تو اسی کے آگے توبہ کرنے بیٹھ جائے۔ یہ بھی صدق تعلق باللہ ہے۔ «لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوبَةِ عَبْدِهِ» اللہ کو زیادہ خوشی بھی تبھی پہنچتی ہے جب بندے گناہ کرکے توبہ کرلیں۔ (صحيح البخاري: 6308) یہ بھی صدق تعلق باللہ ہے۔

رسول کے ساتھ سچے ہوجائیں۔ ایسی سچائی کہ آپ کی حقیقی اتباع پر قائم ہو۔ یہ سچائی نہیں ہے کہ رسول سے عشق و محبت کے دعوے ہوں اور پیروی کسی اور کی ہو۔ رسول پر جان قربان کرنے کا عزم ہو اور پیروی کسی اور کی ہو، یہ سچائی نہیں ہے۔ صدق تعلق بالرسول یہ ہے کہ آپ سے سچی محبت ہو جس محبت کی عملی تصویر یہ ہے کہ آپ ہی کا کہا مانیں۔ یہ نہیں کہ محبت کا دعویٰ تو آپ سے ہے نماز کا وقت آئے تو نماز کیسے پڑھنی ہے جیسے باپ دادا پڑھتے ہیں۔ جیسے ہمارا امام یا مفتی پڑھتا ہے۔ یہ تو کوئی محبت نہیں ہے۔ یہ جھوٹی محبت ہے۔ یہ جو صدق ہے، سچائی یہ بڑی عظیم حقیقت ہے۔ اور ایک عزیمت کی بات ہے۔ چنانچہ یہ ایک بڑا عظیم وعدہ ہے کہ میری امت کی تعداد اگر صرف بارہ ہزار ہو دشمن اپنے تمام تر وسائل کے باوجود، اپنی طاقتوں کے باوجود ان پر غلبہ نہیں پاسکے گا۔ غلبہ انھی کے لیے ہے مگر ان دو شرائط کے ساتھ: ایک صبر کا منہج، دوسرا صدق یعنی سچائی کا منہج۔ رسول اللہ ﷺ کی سچی اطاعت جس کی ایک عملی دلیل جنگ خیبر کا واقعہ ہے۔ جب رسول کریم ﷺ صلح حدیبیہ سے کفار سے ایک عہد کرکے، ایک ایگریمنٹ کرکے لوٹے تو واپسی میں فتح خیبر کا پروگرام بنایا جو یہودیوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ ان کی بستی تھی۔ مگر وہ قلعہ فتح نہیں ہورہا تھا۔ کافی صحابہ کو زخم لگے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے اسی میدانِ خیبر میں فرمایا: «لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ» ''کل میں خیبر کا جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو اس سے محبت ہے۔'' «يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَى يَدَيهِ» اللہ اس کے ہاتھوں خیبر فتح کرادے گا۔ یعنی ترتیب پر آپ غور کریں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور فتح خیبر، یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ اگلے روز آپ نے خیبر کا



جھنڈا امیر المومنین جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اور ان کو جھنڈا دے کر خیبر کی طرف روانہ کیا اور ایک نصیحت کی کہ «اُنْفُذْ عَلَی رِسْلِكَ» اپنا رخ خیبر کی طرف کرلو اور بڑے وقار سے، بڑے دھیمے انداز سے چلتے ہوئے آگے بڑھو۔ اور ایک حدیث میں ہے: «وَلَا تَلْتَفِتْ» دائیں بائیں جھانکنا نہیں ہے اور بڑی آہستگی کے ساتھ، وقار کے ساتھ چلتے جانا ہے۔ دین کی فتح اور دین کا نشر اسی دھیمے پن اور وقار پر قائم ہے اچھل کود کا نام نہیں ہے۔ ریلیاں اور جلوس اور جلسے اور نعرے اور بینر اور نعرے لکھ لکھ کر لوگوں کی دیواروں کو سیاہ کرنے کا نام نہیں ہے۔ نہیں یہ ایک دھیما عمل اور باوقار عمل ہے۔ بڑے وقار کے ساتھ خیبر کی سرزمین کی طرف بڑھتے جاؤ، دائیں بائیں جھانکنا نہیں ہے۔ اور یہ بھی ایک وقار ہے۔ جو شخص چلتے ہوئے کبھی دائیں دیکھ رہا ہے کبھی بائیں دیکھ رہا ہے، کبھی پیچھے مڑ مڑ کے دیکھ رہا ہے اس کا یہ عمل وقار کے منافی ہے، ایک چھچھورا پن ہے۔ اور جو شخص ایک وقار کے ساتھ سیدھا چلتا جائے، اگر اسے دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت بھی ہو تو کھڑا ہو کر دیکھے، یہ کھڑا ہونا بھی ایک وقار ہے۔ پیچھے دیکھنے کی اگر ضرورت ہے تو کھڑا ہو کر دیکھے۔ یہ نہیں کہ قدم آگے بڑھ رہے ہیں اور نظر پیچھے کی طرف ہے۔ یہ چیز وقار کے منافی ہے۔ فرمایا کہ علی! تم بڑے پروقار انداز سے چلتے جاؤ، دائیں بائیں جھانکنا نہیں ہے: «حَتَّی تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ» حتی کہ تم یہودیوں کی بستی میں جا اترو۔ اور جو ان کا خیبر کا صحن یا میدان ہے اس میں جا اترو اور جا پہنچو۔ یہ آپ نے کچھ تربوی امور دیے اور جناب علی روانہ ہوگئے۔ اب دیکھیں یہ جو صدق تعلق بالرسول ہے درحقیقت اطاعت کا نام ہے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے جارہے ہیں۔ ایک سوال ان کے ذہن میں آتا ہے، بڑا اہم سوال ہے۔ نبی علیہ السلام سے وہ سوال پوچھنا چاہتے ہیں بلکہ پوچھنا ضروری ہے۔ اب ضروری ہے کہ آپ کے پاس آئیں، سامنے بیٹھیں اور یہ سوال کریں مگر نبی علیہ السلام کا حکم ذہن میں آگیا کہ تم نے چلتے جانا ہے۔ دائیں بائیں بھی نہیں جھانکنا، پیچھے مڑ کے بھی نہیں دیکھنا۔ چنانچہ ان کا رخ خیبر کی طرف ہی ہے اور اپنی رفتار سے چلتے جارہے ہیں اور نبی علیہ السلام کے فرمان کی اتباع کرتے ہوئے چلتے چلتے وہ سوال کیا، زور سے پکارا: «عَلَی مَا أُقَاتِلُ النَّاسَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟» یارسول اللہ! میں نے ان یہودیوں سے کس چیز پر اور کب تک لڑنا ہے؟ کوئی لڑائی کی حد، کوئی مقدار، کب تک قتال کرتا رہوں؟ سوال بڑا اہم ہے مگر ان تمام تقاضوں کے ساتھ کیا جو اللہ کے پیغمبر کی ہدایت تھے۔ رکنا نہیں ہے، نہ ہی دائیں بائیں جھانکنا ہے۔ چنانچہ چلتے چلتے یہ سوال کر ڈالا: «عَلَی مَا أُقَاتِلُ النَّاسَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟» کس چیز پے قتال کرنا ہے اور کب تک قتال کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح جواب دیا کہ «قَاتِلْهُمْ حَتَّی يَشْهَدُوا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» علی! اس وقت تک لڑنا جب تک شرک کا خاتمہ نہ ہوجائے اور یہ لوگ توحید قبول نہ کرلیں۔ (صحيح البخاري: 4210، و صحيح ابن حبان: 379/15) یا تو ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دو یا پھر یہ توحید قبول کرلیں۔ توحید کا نشر ہمارا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آرڈر ہے کہ اس توحید کو قائم کرنا ہے۔ جو ہم مدینہ منورہ میں قائم کرچکے ہیں۔ اب آس پاس کی بستیوں میں اس کو قائم کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ توحید کی اقامت تک لڑنا ہے۔ یا تو یہ قتل ہوجائیں یا پھر توحید قبول کرلیں۔ چنانچہ اسی طرح ہوا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے تقاضے اس طرح پورے ہوئے کہ نبی علیہ السلام کے امر کی پوری پوری اتباع اور پیروی، اور یہ صحابہ کے ایمان کا اعجاز تھا۔ آج یہ فضیلت اور منقبت جناب علی کی قسمت میں تھی ورنہ سارے صحابہ متبع رسول ہیں اور وہاں نافرمانی کا تصور نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر صحابہ کی شان ثابت اور موجود ہے۔ نبی علیہ السلام کی ایک حدیث ہے: «لَوْ وُزِنَ اِيمَانُ اَبِي بَكْرٍ بِإِيْمَانِ أَهْلِ الْاَرْضِ لَرَجَحَ بِهِمْ» اگر اکیلے ابوبکر صدیق کا ایمان پوری دنیا کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو اکیلے ابوبکر صدیق کا ایمان پوری دنیا کے ایمان پر راجح اور غالب ہے۔ (شعب الإيمان: 69/1) ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اور ہر صحابی کی ایک فضیلت ایک شان اور ایک منقبت، خصوصیت موجود ہے۔ اور آج کے دن کی جو فضیلت اور شان ہے امیر المومنین علی بن ابی طالب ہی کے حصے میں آئی اور نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں غلبہ اور فتح کی بنیادیں بیان فرمادیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت، ایسی محبت جو اطاعت کے ساتھ ہو اطاعت سے خالی نہ ہو۔ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ یہ لوگ اگر صرف وہ کام کرتے رہیں جو میرا پیغمبر دیتا



ہے، نصیحت کرتا ہے تو یہ ہر قسم کی خیر بھی ہے اور فتح عظیم، غلبہ اور نصرت کی تمہید بھی۔ اور آج اسی روحانی تیاری کی پوری قوم کو ضرورت ہے، رجوع الی اللہ کی، توبۃ النصوح کی، ایک عزم مصمم کی، اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا عزم اور نبی علیہ السلام کی بھرپور اتباع کا عزم۔ اگر یہ عزم شامل حال ہوجائے جس طرح اس قوم نے کل روس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے آج ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے بھی ہوجائیں گے۔ اور یہ ہندو قوم جھوٹی اور مکار قوم ہے۔ ایک ایسے نظریے پر قائم قوم جو دنیا کا سب سے خبیث نظریہ ہے، ہندومت۔ سب سے گندہ اور خبیث نظریہ ہندوازم ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے جہاد ہند کو سب سے افضل جہاد قرار دیا۔ وہ جہاد کب ہوگا؟ اس کا تعین نہیں ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں، واللہ اعلم، ہندوستان کے ساتھ ہر جنگ، ہر جہاد جہادِ عظیم ہے کیونکہ مقصد ہندوازم کا خاتمہ ہے۔ مقصد اس گندے نظام کو توڑنا ہے جو کہ سب سے پلید اور ناپاک ایک ازم ہے۔ ان کی ثقافت، ان کا کلچر انتہائی گھٹیا کلچر ہے جس سے آج بغاوت کی ضرورت ہے۔ جو گھر گھر میں ان کے چینل چل رہے ہیں غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ان سب کا گلا گھونٹا جائے اور جو اسلامی ثقافت ہے، ہمارا عقیدہ ہے، اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے اور سچی اطاعت ہے اسے دل و جان سے قبول کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کے لیے حربی تیاری کا حکم نہیں دیا۔ حکم ہے مگر وہ اپنی بساط اور طاقت کے بقدر ﴿وَاَعِدُّو لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ دشمن کے مقابلے میں تیاری کرلو جو تم میں طاقت ہو۔ (الأنفال 60:8) اس تیاری کا موازنہ کوئی نہیں۔ یہ شرط نہیں کہ دشمن اگر ایٹمی طاقت ہے تو تمھیں بھی ایٹمی طاقت بننا پڑے گا، یہ شرط نہیں ہے۔ ﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ جو کرسکو، جو طاقت ہے وہ کرلو لیکن جو روحانی تیاری ہے اور جو معنوی تیاری ہے وہاں استطاعت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ﴿اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ اسلام میں پورے کے پورے آجاؤ۔ (البقرة 208:2) یہ حکم ہے۔ اپنے عقیدے کے ساتھ، عمل کے ساتھ، اخلاق کے ساتھ، اپنی وضع قطع اور لباس کے ساتھ، پورے جسم کے ساتھ اسلام میں داخل ہوجاؤ۔ یہ غلبہ کی نوید ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کے وعدے اسی شے پر قائم ہیں۔ وہ جب چاہے، جس چیز سے چاہے اپنے بندوں کی مدد کردے۔ «نُصِرْتُ بِالصَّبَاءِ وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ» (صحیح البخاری: 1035) اللہ تعالیٰ نے صبا ہواؤں کے ذریعے میری مدد نہیں کی؟ جب دشمن دس ہزار کی تعداد کے ساتھ مدینے پر یلغار کرنے پر تلا ہوا تھا اور ہماری کمزوری کا عالم یہ تھا کہ اپنے شہر کو بچانے کے لیے اور اپنی عورتوں کی عزت کی حفاظت کے لیے خندق کھود رہے تھے، اس سے بڑی کمزوری کیا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کو آزمایا، عزیمت کو آزمایا، صحابہ کے جذبہ جہاد کو آزمایا، ان کی زبان سے جنگ کے میدان میں، گھروں میں نہیں، ٹی وی اسکرینوں پر نہیں بلکہ جنگ کے میدان میں یہ نعرہ سنا کہ «نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا» ہم تو وہ قوم ہیں جنھوں نے محمد رسول اللہ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرلی جب تک زندہ ہیں۔ (صحیح البخاری: 2834) جب تک یہ سانسیں آرہی ہیں جہاد کرتے رہیں گے۔ اب یہ دس ہزار کا لشکر جو پوری طرح محاصرہ کرچکا تھا اور یہاں انتہائی قلت، وسائل کی قلت اور فاقے کا عالم یہ کہ ایک ایک اور دو دو پتھر پیٹوں پر بندھے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب آزما لیا، بیس بائیس دن کا محاصرہ اور اللہ نے ان کے صبر کو، ثبات کو، عزیمت کو، صدق تعلق کو آزما لیا تو اللہ کی مدد آگئی۔ مدد کیا تھی؟ ہوا۔ مدد کیا تھی؟ یہ ہوا اپنے دامن میں ذرے اور چھوٹے چھوٹے کنکر لے کر آئی جن میں بظاہر کوئی قوت نہیں مگر اب یہ ذرے اللہ کے سپاہی بن چکے۔ اس ہوا نے کفار کے کیمپوں کو اکھاڑ دیا اور ان کے خیموں کو تہہ و بالا کردیا۔ ان کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں۔ ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ ساز و سامان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ تو وقت آنے پر یہ ریت کے ذرے اور یہ ہوائیں اللہ کے فوجی بن جاتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کے دور میں مٹھی بھر مسلمانوں کی تعداد تھی اور پوری دنیا کفر پر قائم تھی۔ اللہ رب العزت نے مسلمانوں کی آزمائش کی، ان کے صبر کو آزمایا، تعلق باللہ کو آزمایا اور پھر اللہ رب العزت نے پانی کے ایک ایک قطرے کو اپنے فوجی کے طور پر اس قوم پر مسلط کردیا اور یہ پوری قوم غرق ہوگئی۔ تو وقت آنے پر اللہ رب العزت اپنی مخلوق میں جس مخلوق کو چاہے اپنا فوجی بنا کر مسلمانوں کو فتح اور غلبہ دینے پر قادر ہے۔ ﴿وَاَعِدُّو لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ حربی تیاری اپنی طاقت کے



بقدر کرلولیکن ﴿اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ اسلام میں پورے کے پورے آجاؤ۔ یہ ایک اہم شرط ہے جس کی تحقیق آج ضروری ہے، جس کو سمجھنا اور اپنانا آج ضروری ہے۔ آج ہم پر ایک جنگ مسلط ہے اور ہم تیار ہیں، اپنی بہادر فوج کے شانہ بشانہ ہم تیار ہیں لیکن اس کے لیے تیاری، تیاری حربی بھی کرو لیکن دینی، روحانی اور معنوی تیاری بھی توحید کے فہم کے ساتھ، اللہ کے پیارے پیغمبر کی اتباع کے ساتھ، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ سچے تعلق کے ساتھ، سابقہ کوتاہیوں پر توبۃ النصوح کے ساتھ، اللہ کے بندے بن جاؤ پھر اللہ رب العزت کی فتح ونصرت کے وعدے اور غلبے کے وعدے ضرور مکمل ہوں گے اور اللہ ہمیں فتح عطا فرمائے گا۔ ہندوستان کے بخیے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے، ان شاء اللہ۔ اور یہ پاکستانی قوم ان شاء اللہ العزیز جس نے اس ملک کو لا الٰہ الا اللہ کی اساس پر حاصل کیا، اسی توحید کی اساس پر ان شاء اللہ غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگی۔ والتوفیق بیداللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاح احوال کی توفیق دے اور اللہ رب العزت ہمیں توحید خالص سے آراستہ کردے۔ ہمارے دلوں کو اپنی اور اپنے پیارے پیغمبر کی محبت سے بھردے۔ ایسی محبت جو قدم قدم پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر قائم ہو، ایسی محبت جو عمل صالح پر قائم ہو اور ایسی محبت جو توبۃ النصوح پر قائم ہو۔

وَالتَّوْفِيقُ بِيَدِاللّٰهِ تَعَالٰى وَاَقُولُ قَولِي هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِي وَلَكُمْ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

شاہ سلمان کے بھتیجے کا قصاصاً قتل

عبدالمالک مجاہد

شاہ سلمان نے عدل وانصاف کی مثال قائم کردی۔ ایک سعودی کو قتل کرنے کے جرم میں اپنے ہی بھتیجے ترکی بن سعود الکبیر کو قصاصاً قتل کروا دیا۔ تفصیلات کے مطابق تین سال قبل شہزادہ ترکی بن سعود کی گولی سے ان کا دوست عادل المحیمید قتل ہوگیا اور عدالت نے شہزادے کو قصاصاً قتل کرنے کے احکام جاری کردیے، اور معاملہ سپریم کورٹ تک جا پہنچا۔ مقتول کے ورثاء دیت لینے پر رضامند نہیں تھے، حالانکہ مقتول کے ورثاء کو شاہی خاندان کی طرف سے بہت بڑی بڑی پیشکشیں کی گئیں تھیں۔ لیکن مقتول کے ورثاء نے سب کو جوتے کی نوک پر ٹھکرادیا، اس پر سپریم کورٹ نے قصاصاً قتل کے فیصلے پر تصدیق کردی اور 18 اکتوبر 2016ء کو شہزادہ ترکی بن سعود کو قتل کردیا گیا۔

شاہ سلمان کے اس فیصلے پر سعودی معاشرے میں بالخصوص اور دیگر مسلمانوں میں بالعموم خوشی کا اظہار کیا گیا ہے کہ مملکت سعودی عرب میں اللہ کی حدود اور اسلامی قانون سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے، چاہے اس کا تعلق شاہی خاندان سے ہی کیوں نہ ہو۔

واضح رہے کہ شاہ سلمان نے گزشتہ برس جدہ میں منعقد ہونے والی اینٹی کرپشن کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ کوئی بھی شخص میرے یا میرے خاندان کے کسی بھی فرد کے خلاف دعویٰ دائر کرسکتا ہے۔

بقیہ: مشہور مگر ضعیف روایات

کا عرش نمایاں طور پر دیکھتا رہا گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں، وہ اس میں ایک دوسرے سے ملاقات کررہے ہیں۔ گویا کہ میں اہل جہنم کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ اس میں چیخ و پکار کررہے ہیں۔ تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اے حارث تو نے پہچان لیا، پس اسے لازم پکڑ لے، آپ نے تین بار یہ ارشاد فرمایا۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی کئی اسانید ہیں: ① ابن لهيعه، ثنا خالد بن يزيد السكسی عن سعيد بن ابی هلال المدنی عن محمد بن ابی الجهم عن الحارث بن مالك انصاری۔ (المعجم الكبير: 3367) یہ سند ابن لہیعہ عبداللہ الحضرمی کے اختلاط اور تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (تهذيب التهذيب: 327/5) ② سهل بن موسىٰ قال حدثنا الحجاج بن مهاجر عن ايوب بن خوط عن ليث عن زيد بن رفيع (المنتخب للطبرى: 588) یہ سند ایوب بن خوط، لیث، اور زید بن رفیع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (ميزان الاعتدال: 386/1، تقريب: 464,118) ③ ابوفروه يزيد بن محمد بن يزيد بن سنان، ثنا زيد بن ابی انيسه عن عبدالاكرم (الزهد الكبير للبيهقی: 973) اس میں ابوفروہ اور عبدالاکرم مجہول راوی ہیں۔ (البدايه 471/11، الجرح والتعديل: 288/9) ④ يوسف بن عطيه البصری عن ثابت عن انس، (مسند بزار: 26/3) اس میں یوسف بن عطیہ ضعیف ہے۔ (ميزان الاعتدال: 142/6، تقريب، ص:611)



آپ کے سوال اور ان کے جواب

مشت سے زائد داڑھی کا شرعی حکم

جوابی بیانیہ

ابوالحسن حافظ عبدالخالق

سوال بہت سے قارئین ضیائے حدیث نے ادارہ ضیائے حدیث اور مجھ سے رابطہ کیا کہ داڑھی کے کٹانے کے متعلق جو مضمون شائع ہوا ہے، اس کے مندرجات کے بارے میں آپ کی کیا رائے اور تحقیق ہے، آیا مشت سے زائد داڑھی کٹانا جائز ہے؟ جواب تسلی بخش چاہیے۔ (مختلف سائلین)

داڑھی کو اپنی طبعی اور اصل حالت پر رکھنا واجب اور اس کی تراش خراش کرنا گناہ ہے

جواب ہمارے نزدیک احادیث صحیحہ مرفوعہ کی روشنی میں داڑھی کو اس کی طبعی حالت پر باقی رکھنا فرض ہے۔ مونڈنا، اس کا خط کرانا، یا اس میں کسی قسم کی تراش خراش کرنا، گناہ اور معصیت ہے، احادیث کی روشنی میں اس کی قطعاً اجازت نہیں۔ جن تین چار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مٹھی سے زائد داڑھی کترانا ثابت ہے وہ ان کا اجتہاد اور رائے ہے۔ اپنے اس عمل کا انھوں نے سنت سے ثبوت نہیں دیا، نہ ہمیں اس کا سراغ مل سکا، لہٰذا وہ اپنے اس اجتہاد کی بنا پر عنداللہ ماجور ہوں گے اور نہ اس حقیقت ہی کا اثبات ہو سکا ہے کہ ان صحابۂ کرام کا مذکورہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا، وگرنہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق و تصدیق قرار دیتے ہوئے سنتِ تقریری کا درجہ دیتے اور یہ عمل باقاعدہ سنت و شریعت کا درجہ رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے مشت سے زائد داڑھی کٹانے کے عمل کو کسی نے اس طریقے سے سنت قرار نہیں دیا اور جن چند تابعین وغیرہ سے اس کا قولاً یا فعلاً جواز منقول ہے وہ بھی یا تو انھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی میں ہے یا پھر اس کی بنیاد چند مرفوع ضعیف روایات ہیں جو شروع سے نقل ہوتی آ رہی ہیں۔ جبکہ وہ ناقابل حجت ہیں۔

ذہن میں رہے یہ مسئلہ بھی دیگر مختلف فیہ مسائل کی طرح ہے۔ اس میں بھی ہر دور میں علماء کا اختلاف رہا ہے۔ یہ کوئی اتفاقی اور امت کا اجماعی مسئلہ نہیں کہ جس میں دوسری رائے کی گنجائش نہ ہو۔ گنجائش تھی اور موجود ہے لیکن اس کا اصل حل کتاب و سنت کی طرف رجوع ہے۔

اِعفاء لحیہ کا حکم: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أنهكوا الشوارب و أعفوا اللحى» ''مونچھیں اچھی طرح کاٹو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو۔'' (صحيح البخاري: 3 589)

یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مختلف طرق و الفاظ سے آتی ہے، چونکہ روایات کی تخریج مقصود نہیں، اس لیے اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں، ایسے کچھ تفصیل مجلّہ ضیائے حدیث، گزشتہ شمارہ (اکتوبر) میں دیکھی جا سکتی ہے، نیز شیخ العرب والعجم علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کا رسالہ (اسلام میں داڑھی کا مقام) بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

حکمِ اِعفاء، یعنی بلانقص داڑھی بڑھانے کے الفاظ اور صیغے:

احادیث مبارکہ میں پانچ قسم کے صیغے استعمال ہوئے ہیں: «أعفوا، أوفوا، وفّروا، أرخوا اور أرجوا» یہ پانچوں صیغے امر کے ہیں۔ یعنی

ان میں داڑھی بڑھانے، وافر حالت میں چھوڑنے اور اسے طبعی حالت پر باقی رکھنے کا حکم ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تراش خراش نہ ہو۔ لغوی تفصیل بعد میں آئے گی، یہاں صرف ان کا لفظی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں: «أعفوا اللحى» ''داڑھیاں بلا چھیڑ چھاڑ بڑھاؤ'' «أوفوا» ''پوری کرو، یعنی بلا نقص۔'' «وفّروا» ''زیادہ اور وافر مقدار میں کرو۔'' «أرخوا» ''لٹکاؤ یعنی لمبا کرو۔'' «أرجوا» ''مؤخر کرو، یہ ارخاء ہی کے معنی میں ہے۔''

ان احکام نبوی کا خلاصہ اور لب لباب یہی ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ، انھیں ان کی طبعی حالت ہی پر باقی رکھو، اور ان میں کسی قسم کی کمی اور نقص یا تبدیلی نہ کرو۔

شروع تمہید میں مذکور ہمارا موقف اور ''اِعفاء'' وغیرہ کے معنی ہمارا دعویٰ ہیں، جس کے دلائل ان شاء اللہ عنقریب ذکر ہوں گے۔

مضمون نگار کا دعویٰ اور اس کا ابطال: مضمون نگار حافظ عمران الٰہی لکھتے ہیں: ''احادیث میں داڑھی کے حوالے سے جتنے الفاظ بیان ہوئے ہیں، سب کے معنی داڑھی کو بڑھانے اور لمبا کرنے کے ہیں، کسی لفظ کے یہ معنی نہیں کہ داڑھی کو معاف کردو یا داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دو، جیسا کہ ہمارے ہاں یہی معنی مشہور ہے۔''

جوابِ دعویٰ: ہم عرض کرتے ہیں کہ اہل لغت کی تشریحات اور شارحین حدیث کی توضیحات کی روشنی میں ان کلمات کے معنی صرف داڑھی کو بڑھانے اور لمبا کرنے کے نہیں بلکہ اسے کسی تغیر وتبدل، چھیڑ چھاڑ اور اس کے طول وعرض سے کسی کمی اور نقص کے بغیر بڑھانے اور لمبا کرنے کے ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، رہا یہ معنی کرنا کہ داڑھی کو معاف کردو، اگرچہ بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے لیکن یہ دقیق علمی ترجمہ نہیں، آپ کی یہ بات کسی حد تک درست ہے۔

عمران موصوف نے اپنی تحریر میں مذکورہ اعتراض کم وبیش تین چار دفعہ دہرایا ہے، پھر کہتے ہیں: ''ان میں سے کسی بھی لفظ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ داڑھی کو بالکل ہی چھوڑ دو......'' پھر لکھتے ہیں: ''اِعفاء اور دیگر الفاظ حدیث کے معنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا نہیں ہیں بلکہ داڑھی کی مقدار کو بڑھانا مراد ہے۔'' پھر فرماتے ہیں: ''داڑھی والی روایات میں صحابہ نے بھی ان الفاظ کے معنی کثرت اور بہتات کے ہی کیے ہیں۔''

جواب: عرض ہے کہ اگر موصوف جمود وتعصب سے بالا رہ کر، خالی الذہن ہوکر اطمینان، دقت نظری اور حاضر دماغی سے کام لیتے تو مذکورہ تمام الفاظ کے معانی و مفاہیم سمجھ جاتے اور مذکورہ الجھن کا شکار بھی نہ ہوتے، لیکن انھوں نے جلد بازی، عدم تفقہ اور غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے، بلکہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ لغوی معنی کے بیان میں گھپلے اور خیانتیں کی ہیں بلکہ بعض جہالتوں کا بھی ارتکاب کیا ہے۔

نیز موصوف کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ''داڑھی والی روایات میں صحابہ نے بھی ان الفاظ کے معنی کثرت اور بہتات ہی کے کیے ہیں۔''

اولاً: عرض ہے کہ موصوف فی الضمیر کی صحیح تعبیر نہیں کر پائے، وگرنہ مذکورہ دعوے کی دلیل پیش کریں جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتصریح کثرت و بہتات کے معنی بیان کیے ہوں، ہاں عمل سے وضاحت اور چیز ہے۔

ثانیاً: مطلقاً ''صحابہ'' کہنے سے یہ شبہہ پڑتا ہے کہ تمام صحابہ مراد ہیں، حالانکہ بات ایسے نہیں، صرف تین یا چار صحابہ کرام ہی ہیں جن سے عملاً مشت سے زائد داڑھی کا ٹنا ثابت ہے۔

مضمون نگار کے چند گھپلے اور خیانتیں: بیانِ حقیقت اور مذکورہ اُوامر اور الفاظِ حدیث کی اصل مراد واضح کرنے سے موصوف نے جو قصداً یا اپنی ناعلمی کی بنا پر چند گھپلوں اور خیانتوں کا ارتکاب کیا ہے، ہم بتوفیق اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت سے اب پردہ ہٹاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ موصوف اپنے ہی پیش کردہ چند دلائل اور حوالا جات پر بنظر غائر توجہ فرما لیتے تو مذکورہ اعتراض (اِعفاء اور دیگر الفاظ حدیث کے معنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا نہیں بلکہ داڑھی کی مقدار کو بڑھانا مراد ہے) کی نوبت ہی پیش نہ آتی، بلکہ اس اشکال کا جواب انھیں وہیں سے مل جاتا۔ لیکن کیا کریں آں موصوف بڑے دھڑلے اور خوش فہمی سے اپنا مطلب نکالتے ہوئے آگے چل دیے، لیکن جس حقیقت اور نکتے سے راہِ فرار اختیار کی تھی اسی کی تلخ حقیقت کا شکار ہوگئے ۔

لو آپ اپنے جال میں صیاد آ گیا

علمِ صرف سے بے گانگی اور اُوفوا کی اصل حقیقت: لفظ ''اُوفوا'' کی

وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''أوفو'' کا لفظ إیفاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: پورا ہو جانا اور کثیر ہو جانا، چنانچہ تاج العروس میں لکھا ہے: «وفى الشيءُ أي تم وكثر»

''أوفوا کے یہ معنی کرنا لغت اور گرائمر (علم صرف) سے بالکل ناواقفیت کی دلیل ہے۔ صاحب جی کو یہ پتا نہیں کہ 'أوفوا' لازم ہے یا متعدی؟ حقیقت میں یہ لفظ إیفاء سے ہے جس کے معنی ہیں: ''پورا کرنا، زیادہ کرنا'' مشورہ ہے کہ کچھ وقت دوبارہ صرف ونحو کی تعلیم پر خرچ کر لیں، تاکہ صیغوں کی پہچان کے ساتھ ساتھ فہم عبارت کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے۔

مزید وضاحت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: «أوفوا الكيل» یعنی أتموه (ماپ پورا کرو) یہ نقص اور کمی کرنے کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے، جیسے فرمایا: ﴿أوفوا الكيل ولا تكونوا من المخسرين﴾ ''ماپ پورا کرو اور کم دینے والوں سے نہ ہو جاؤ۔'' (الشعرآء: 181)

سورۂ ہود (آیت نمبر 84) میں ہے: ﴿ولا تنقصوا المكيال والميزان﴾ ''تم ماپ تول میں کمی نہ کرو۔''

معلوم ہوا کہ أوفوا کے معنی إتمام کے اور پورا کرنے کے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ لفظ وحکم اس چیز میں نقص اور کمی کو بھی قبول نہیں کرتا جیسا کہ قرآنی نصوص سے واضح ہوا۔ اس لیے داڑھی کو صرف ایک متعین حد تک بڑھانا ہی مقصود نہیں بلکہ اسے پورا کرنے، بڑھانے اور اس کی توفیر وتکثیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی یا نقص بھی نہیں کرنا۔ وگرنہ نبی کریم ﷺ کی مراد اور مقصد پورا نہیں ہوگا۔

ہمارا استدلال: «وَفَى الشيءُ: أي: تمّ و كثر» ''وفى الشيءُ سے مراد کسی چیز کا پورا ہونا اور حالتِ تمام و کمال کو پہنچنا ہے۔ اور إیفاء کے معنی ہیں: کسی چیز کو پورا کرنا اور اسے اس کی حالتِ تمام و کمال تک پہنچانا۔ یہی ہمارا مقصود ہے جو آپ نے اپنے اس پیش کردہ حوالہ سے پورا کر دیا ہے لیکن اپنے دماغ پر زور نہیں دیا، وگرنہ مسئلہ ادھر ہی حل ہو جاتا۔ بتایے! داڑھی کو اس کی حالتِ تمام و کمال تک پہنچانے اور اس کے پورا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ چلو ہم ہی بتا دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کی طبعی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔ عام سادہ پڑھا لکھا انسان بھی جانتا ہے کہ نقص اور کمی کرنا، کسی چیز کی حالتِ تمام و کمال اور اس کے طبعی طریقہ سے پورا ہونے اور بڑھنے کے منافی ہے۔ موصوف نے ائمۂ لغت کے اپنے استدلال کے لیے جتنے حوالے دیے ہیں، ان کا یہی مقصود ہے۔ کسی چیز کے اندر کثرت و بہتات پیدا کرنے کے لیے یا اسے بڑھانے اور وافر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے ساتھ ساتھ کم بھی نہ کیا جائے۔ اصل میں کسی چیز کی کثرت و بہتات اسے ترک کرنے اور اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کرنے ہی کا نتیجہ ہوتی ہے، یہی علمائے لغت کا مقصد ہے۔

ایک اور چشم پوشی: خود لکھتے ہیں: ''اور تیسرا لفظ ''أرجوا'' ہے جس کا معنی تاخیر ہے، حافظ ابن حجر نے اس کے معنی لمبا کرنے کے کیے ہیں۔'' (فتح الباري:1/350)

یہاں بھی بلا توضیح آگے نکل گئے، کیا ''لمبا کرنے'' سے بھی بات سمجھ میں نہ آئی؟ کم از کم یہاں تو کچھ فرما جاتے، لیکن چونکہ یہاں اپنے مفاد کی بات نہ تھی اس لیے آگے بھاگ نکلے۔ بھائی صاحب! لغوی بحث کر رہے تھے کم از کم اہل لغت اور ائمہ شارحین کی اصل مراد تو واضح کر جاتے۔ باقی بات بعد کی تھی۔ بہرحال عام انسان بھی لمبا کرنے کے معنی جانتا ہے۔

خیانت کی ایک اور صورت: لسان العرب کی عبارت پیش کی ہے لیکن ترجمہ نہیں کیا۔ عبارت دے کر صرف اپنے مطلب کی ایک بات لے لی لیکن جس سے مزعومہ موقف پر کاری ضرب لگتی تھی اس کے ترجمے اور توضیح سے کنی کترا گئے، وہ عبارت یہ ہے: «ولا يقص كا لشوارب» ''داڑھی کے بالوں کو زیادہ اور وافر کیا جائے اور مونچھوں کی طرح اسے کاٹا نہ جائے۔'' ایک جز (کثرت وتوفیر) کو لے لیا جسے اپنے مفاد میں سمجھا اور دوسرے کو ترک کر دیا جس سے ہمارا موقف ثابت ہوتا تھا۔ (افتومنون، ببعض الكتاب و تكفرون ببعض)۔

میں پوچھتا ہوں یہ آپ کا سہو ونسیان ہے یا عبارت کی عدم تفہیم یا پھر بد دیانتی؟ آپ کے انداز سے تو مؤخر الذکر بات ہی ٹھیک لگتی ہے۔

نتیجہ، بے نتیجہ: لغوی حوالا جات پیش کرنے اور اپنے استدلالات کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''مندرجہ بالا دلائل، ماہر لغت اور شارحین حدیث کے

اقوال سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ إعفاء اور دیگر الفاظ کے معنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا نہیں ہیں بلکہ داڑھی کی مقدار کو بڑھانا مراد ہے۔'' (ضیائے حدیث)

بعض الفاظ کے لفظی معنی کے طور پر تو ٹھیک ہے لیکن موصوف نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ بات بے نتیجہ ہے، داڑھی کو صرف ایک حد تک بڑھانا ہی مقصود نہیں بلکہ معنی کی قیود میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اسے بلا کسی نقص وتغیر اور چھیڑ چھاڑ کے بڑھانا ہے۔ کثرت و بہتات یا زیادہ کرنے سے بھی یہی مراد ہے جیسا کہ اب ہم اس کی قدرے تفصیل پیش کرتے ہیں:

ابن دقیق العید کا قول: «تفسير الإعفاء بالتكثير من إقامة السبب مقام المسبب لأن حقيقة الإعفاء الترك وترك التعرض للحية يستلزم تكثيرها» ''بہت اور زیادہ کرنے کی إعفاء سے تفسیر سبب کو مسبب کے مقام پر رکھنے کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ إعفاء کی (اصل) حقیقت ترک کرنا ہے، جبکہ داڑھی سے تعرض (اس کی تراش خراش) نہ کرنا اس کی تکثیر اور کثرت و بہتات کو لازم ہے۔'' (فتح الباري، اللباس، باب إعفاء اللّحى)

امید ہے امام ابن دقیق العید کا یہ نکتہ آپ کے مذکورہ اشکال کے لیے کافی ہوگا۔ اس لیے میں نے اسے پہلے ذکر کیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ داڑھی کو ترک کرو، اس کا پیچھا چھوڑ دو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بڑھے گی اور لمبی ہوتی چلی جائے گی۔ اگر شروع ہی میں اس پر غور فرما لیا ہوتا تو ائمہ لغت کی صحیح مراد پا لیتے۔

علامہ فیومی کا رجحان: علامہ فیومی ''المصباح المنير'' (ص 341) میں سَرَقُسطی سے نقل کرتے ہیں: «عفوتُ الشعر أعفوه عفوا وعفيته أعفيه عفيا (یعنی واوی اور یائی دونوں سے آتا ہے): تركتُه حتى يكثر ويطول، منه «أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى» يجوز استعماله ثلاثيا ورباعيا» یعنی مذکورہ الفاظ اس وقت بولتے ہیں جب بالوں کو چھوڑ دیا جائے (یعنی ان کی حالت پر ترک کر دیا جائے) یہاں تک کہ زیادہ اور لمبے ہو جائیں (یا زیادہ اور لمبے ہوتے جائیں)، حدیث میں مذکور لفظ «أعفوا اللحى» کے یہی معنی ہیں «أعفوا» کو ثلاثی اور رباعی دونوں ابواب سے یعنی ہمزۂ قطعی اور وصلی دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

مادۂ عفو کی مزید وضاحت: مادۂ عفو دو معنوں پر دلالت کرتا ہے: ① ترك الشيئ، یعنی کسی چیز کو ترک کر دینا «عفوالله عن خلقه» سے مراد اللہ تعالیٰ کا بندوں کو ترک کر دینا، اور ان کا مؤاخذہ نہ کرنا ہے۔ «عفا ظَهْرَ البعير» اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ کو ترک کر دیا جائے اور اس پر سواری نہ کی جائے۔ «عفْوُالمال» یعنی مال کا زائد یا زائد مال، اسے عفو اس لیے کہا کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہوتی، لہٰذا ترک کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال «أعفوا» کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی کو ترک کر دو اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو، نتیجہ یہ ہوگا کہ زیادہ ہوگی اور لمبی بھی ہوتی جائے گی۔ (نهاية في غريب الحديث از ابن اثير: 266,265/3 مزید لسان العرب وغیرہ ملاحظہ فرمائیں)

دوسرے معنی «طلب الشيئ» کے ہیں، مثلاً: جو پرندے رزق کی تلاش اور طلب میں نکلتے ہیں انھیں 'العافیۃ' کہتے ہیں۔ ہمارا محل شاہد پہلا معنی ہے۔

علامہ یوسف قرضاوی کی تحریر بھی نظر سے گزری ہے، لکھتے ہیں: «أعفوا اللحى» کا مطلب یہ ہے کہ: «اتركوها تنمو وتكثر فمن تعرض لها بقص أوحلق فلم يتركها ولم يُعْفِها» ''اسے چھوڑ دو، بڑھتی رہے، زیادہ ہوتی رہے، تو جس شخص نے اسے تراشا یا مونڈا تو اس نے اسے چھوڑا نہیں اور نہ إعفاء سے کام ہی لیا۔'' ان کی تحقیق میں اس معنی میں اہل لغت کا کوئی اختلاف نہیں۔

اب خود فیصلہ فرمایئے! از روئے لغت داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑنے کا معنی ثابت ہوتا ہے کہ نہیں۔

ابن اثیر کا قول: ابن اثیر ''النہایۃ'' میں إعفاء کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: «هو أن يُوفَّر شعرُها ولا يُقص كالشوارب، من عفا الشيئ إذ كثرو زاد، يقال أعفيته وعَفَّيتُه» ''داڑھی کے بالوں کو بڑھایا جائے اور مونچھوں کی طرح کاٹا نہ جائے، یہ عفا الشيئ سے ماخوذ ہے، جب کوئی چیز بکثرت اور زیادہ ہو، أعفيت اور عفّيت، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ (النهاية في غريب الحديث لابن الاثير: 266/3)

یعنی لغوی تقاضے کی روشنی میں بالوں کی کثرت و بہتات ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قَص، یعنی داڑھی کی تراش خراش بھی نہ ہو۔

علامہ مناوی کی تحقیق: وہ لکھتے ہیں: «إعفاء اللحية أي إكثارها بلا نقص والمراد عدم التعرض لها بشيء» ''إعفاء اللحية کا مطلب ہے داڑھی کا زیادہ کرنا بغیر کسی نقص اور گھٹانے کے، مراد یہ ہے کہ اس میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔'' (فيض القدير: 4/316)

شہاب الدین ابن ارسلان کی تحقیق: ابوداود کی شرح میں لکھتے ہیں: «وإعفاء اللحية (بالمد) وهو توفيرها وتركها بحالها ولا يقص منها ولا يأخذ شيئًا كعادة الكفار القلندرية» ''إعفاء اللحية سے مراد داڑھی کو بڑھانا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہے، اس طرح کہ اس میں سے نہ کچھ کاٹے اور نہ کچھ لے، جیسا کہ کفار اور قلندریہ (فرقہ) کی عادت ہے۔'' (إعفاء اللحى از علامه محمد حيات سندھی، بحوالہ: اسلام میں داڑھی کا مقام، ص: 9، از شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ)

امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق: «وأما أوفوا فهو بمعنى أعفوا أي اتركوها وافية كاملة لا تقُصّوها» «أوفو، أعفو» کے معنی میں ہے، معنی یہ ہیں کہ اسے پوری اور کامل حالت میں چھوڑ دو، اسے کاٹو نہیں (کتراؤ نہیں)۔'' (شرح النووي لمسلم، كتاب الطهارة، حديث: 259-261)

مزید لکھتے ہیں: «فحصل خمس روايات: أعفوا وأوفوا وأرخوا وأرجوا ووفّروا، ومعناها كلها تركها على حالها، هذا هوالظاهر من الحديث الذي تقتضيه ألفاظه وهو الذي قاله جماعة من أصحابنا وغيرهم من العلماء» ''تو اس طرح پانچ روایات ہوئیں: أعفوا، أوفوا، أرخوا، أرجوا اور وفروا، ان تمام روایات و الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا، حدیث کے ظاہر الفاظ کا یہی تقاضا ہے، ہمارے اَصحاب (شوافع) میں سے ایک جماعت اور دیگر علماء کا یہی قول ہے۔'' (شرح النووي، أيضاً)

قارئین کرام! غور فرمائیں عظیم شارح اور فقیہ علامہ نووی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ان کے نزدیک مذکورہ تمام الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اسی کے پیش نظر ہم نے داڑھی کو اس کی طبعی حالت پر چھوڑنے سے تعبیر کیا ہے۔

لسان العرب کی عبارت: «عفا النبت والشعر وغيره يعفو فهو عافٍ: كثُر وطال، وفي الحديث: أنه ﷺ أمر بإعفاء اللحى، وهو أن يوفر شعرها ويكثّر، ولا يقص كالشوارب، من عفا الشئ إذا كثرو زاد» ''عربی میں عفا النبت یا عفا الشعر وغیرہ استعمال کرتے ہیں، یعفو اس کا مضارع ہے، اور 'عافٍ' اسم فاعل، معنی، جڑی بوٹی اور بالوں کا بکثرت اور طویل ہونا یا ہوتے چلے جانا ہے، حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے إعفاء لحیه کا حکم دیا ہے (جمع اللحٰی ہے) اس کے معنی ہیں کہ داڑھی کے بال بڑھائے جائیں اور زیادہ کیے جائیں، اور اسے مونچھوں کی طرح کاٹا نہ جائے، یہ عفا الشّئ سے ماخوذ ہے، معنی کسی چیز کا کثیر اور زیادہ ہونا ہیں۔'' (لسان العرب: 15/75، عفو)

ذرا غور فرمایے! حافظ عمران موصوف إعفاء کے معنی کے متعلق لکھتے ہیں: ''اس کے معنی بھی کثرت اور توفیر کے ہیں۔'' (ماہنامہ ضیائے حدیث)

حالانکہ صرف یہی معنی مراد نہیں بلکہ یہ کثرت و توفیر وہ ہے جس میں بالوں میں کسی قسم کی تراش خراش نہ کی جائے۔ داڑھی کو کاٹا نہ جائے جیسا کہ پیچھے گزرا۔

ابن فارس کا قول اور موصوف کی خیانت: ابن فارس عفوت الشعر وعفيته کے معنی لکھتے ہیں: «وذٰلك إذا تركته حتى يكثر ويطول......»

عمران موصوف اس کا ترجمہ کرتے ہیں: ''یعنی یہ لفظ (اس وقت بولا جاتا ہے) جب بالوں کو اس وقت تک نہ کاٹا جائے یہاں تک کہ وہ زیادہ ہو جائیں۔''

صحیح ترجمہ یہ ہے: ''یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان بالوں کو چھوڑ دے اور ترک کردے یہاں تک کہ وہ زیادہ اور لمبے ہو جائیں۔''

لیکن موصوف نے ابن فارس کی عبارت اور مقصد کا مذکورہ ترجمہ کر کے جنازہ نکال دیا ہے۔ ''بالوں کو اس وقت تک نہ کاٹا جائے'' میں پوچھتا ہوں یہ کس عبارت کا ترجمہ ہے؟ دوسرے «ويطول» ''طویل اور لمبے ہو جائیں۔'' کے معنی کو کیوں ہضم کر گئے؟ یہ گھپلا اور خیانت اس لیے کی ہے کہ اپنا دعویٰ ثابت کیا جائے۔ انا للہ وانا إليه راجعون.

اصل حقیقت: حالانکہ اصل مفہوم یہی ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر

چھوڑ دیا جائے یہاں تک وہ بڑھتی رہے اور لمبی ہوتی رہے۔ عفوت الشعر کے اس معنی پر تمام اہل لغت متفق ہیں جیسا کہ ابن فارس نے شروع عبارت میں کہا: «وقال أهل اللغة كلهم»

علامہ سیوطی کی تحقیق: علامہ سیوطی رحمہ اللہ الدیباج شرح مسلم (38/2) میں لکھتے ہیں: «أعفوا اللحى......والمراد توفير اللحية خلاف عادة الفرس من قصها، وأوفوا اللحى، هوبمغى أعفوا، أى اتركوها وافية كاملة لا تنقصوها» ''أعفوا اللحى سے مراد داڑھی کو بڑھانا ہے، پارسیوں کی عادت کے خلاف، کیونکہ وہ اسے کاٹتے تھے، اور «أوفوا اللحى» بھی أعفوا کے معنی میں ہے، یعنی اسے اس کی پوری اور کامل حالت پر چھوڑ دو، اسے کم نہ کرو۔

تبصرہ: کیا امام سیوطی کی اس لغوی تشریح سے عمران موصوف کے نظریے اور اس کی لغوی خیانت کا جنازہ نہیں نکل جاتا؟

آگے لکھتے ہیں: «أرخوا اللحى»......أي اتركوها ولا تعرضوا لها بتغيير» ''أرخوا اللحى کے معنی ہیں: اسے چھوڑ دو اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرو۔''

اور أرجوا کا معنی کرتے ہیں: «أخروها واتركوها» ''اسے مؤخر یعنی لمبا کرو اور اسے (اس کی حالت پر) چھوڑ دو۔''

امام نووی کا تعاقب: امام نووی داڑھی کترانے کے حوالے سے قاضی عیاض کے موقف (کہ جب داڑھی بڑی ہوجائے تو اسے طول وعرض سے کاٹنا بہتر ہے۔) کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: «بأنه خلاف ظاهر الخبر في الأمر بتوفيرها، قال: والمختار تركها على حالها وأن لا يتعرض لها بتغيير ولا غيره» یہ موقف حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ اس میں داڑھی کی توفیر (بڑھانے) کا حکم ہے، پھر نووی لکھتے ہیں: مختار اور پسندیدہ بات اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور تراش خراش نہ کی جائے۔'' (شرح نووی: 259، 261، تحفة الأحوذی، الأدب، باب ماجاء فی إعفاء اللحية، حديث: 2763)

امام ابن حجر اور علامہ عینی کا قول: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اِعفاء کے معنی ترک ہی کیے ہیں۔ (فتح الباري، اللباس، تحت الحديث: 5892)

علامہ عینی بھی اعفاء بمعنی ترک ہی کرتے ہیں، یعنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مراد ہے۔ (عمدة القاری، تحت الحديث: 5892)

علامہ زمخشری کی توضیح: الفائق فی غريب الحديث میں لکھتے ہیں: «العافي: الطويل الشعر من عفا وبرالبعير إذا طال ووفر، ومنه هو أن تعفي اللحى» ''العافي کے معنی ہیں طویل اور لمبے بالوں والا، عفا وبر البعير سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہتے ہیں جب اونٹ کے بال لمبے اور وافر ہوجائیں اور إعفاء اللحى بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ (مادہ: عفو)

صاحب عون المعبود: یہ بھی «إعفاء اللحى» کا معنی اس کے اِرسال وتوفیر سے کرتے ہیں۔ (عون، تحت الحديث: 53)

محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری: «أعفو، أوفوا، أرخوا، أرجوا اور وفّروا» کا معنی یہی کرتے ہیں کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ «ومعناها كلها تركها على حالها» (تحفة الأحوذی، حديث: 2763)

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی توضیح: «أعفوااللحى» کی شرح میں لکھتے ہیں: «وهوالتوفير والتكثير......أي اتركوها وافرة كثيرة وذلك بأن لا تقصوها» ''اس کے معنی توفیر وتکثیر ہیں، یعنی اسے ترک کردو اس حال میں کہ یہ وافر اور کثیر ہو، اور اس طرح کہ تم اس میں قص نہ کرو، یعنی کٹاؤ نہیں۔'' (منة المنعم: 202/1، مطبوعہ دارالسلام)

«أوفوا اللحى» کی شرح میں لکھتے ہیں: «أمر من الإيفاء، يعني: اتركوها وافية كاملة غير منقوصة» ''یہ اِیفاء سے اَمر کا صیغہ ہے، یعنی اسے پوری اور کامل شکل میں چھوڑو، اس طرح کہ اس میں کمی نہ کی گئی ہو۔''

«أرخوا» کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ ارخاء سے ماخوذ ہے'' «وهو تركها على طولها وعدم التعرض لها» ''اس کے معنی اسے لمبائی اور طول کی حالت میں چھوڑ دینا اور اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرنا ہیں۔'' (منة المنعم 202/1)

سعودی عالم علامہ عبدالمحسن العباد کی تحقیق: ابوداود کی شرح میں لکھتے ہیں: (وإعفاء اللحية) تركها موفرة لايتعرض لها بحلق ولا بتقصير، لا بقليل ولا بكثير، لأن الإعفاء مأخوذ من الكثرة

أو التوفير، فاعفوها وكثروها......» ''إعفاء اللحیه سے مراد یہ ہے کہ اسے زیادہ اور وافر حالت میں ترک کر دینا کہ اسے نہ مونڈا جائے اور نہ کاٹا ہی جائے، نہ تھوڑی سی، نہ بہت زیادہ، اس لیے کہ اعفاء کے معنی کثرت یا بڑھانے کے ہیں، لہٰذا اسے بڑھاؤ اور زیادہ کرو۔''

آگے لکھتے ہیں کہ داڑھی بڑھانے کا حکم مختلف الفاظ کے ساتھ آیا ہے، جیسے: بلفظ «وفروا» «أرخوا» اور «أعفوا» یہ تمام الفاظ داڑھی کو باقی رکھنے، اسے وافر کرنے اور اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کے حکم پر دلالت کرتے ہیں۔ «وكلها تدل على الأمر بإبقاءها وتوفيرها وعدم التعرض لها»

نیز ان کا کہنا ہے کہ إعفاء اللحیہ آپ کے قول وفعل اور تقریر سے ثابت ہے۔

یعنی آپ نے مذکورہ شرائط کے ساتھ داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے، اس پر عمل بھی کیا ہے، اور تمام صحابۂ کرام نے آپ علیہ السلام کی موجودگی میں مذکورہ طرز کی داڑھیاں رکھی ہیں، خط یا تراش خراش نہیں کی اور آپ علیہ السلام نے ان کی اس قسم کی داڑھیوں کی توثیق وتصدیق فرمائی ہے۔

مزید لکھتے ہیں: «وهي ألفاظ مختلفة متنوعة كلها تدل على إبقائها وتركها» ''یہ مختلف اور متنوع الفاظ ہیں، جو سب داڑھی کو باقی رکھنے اور اسے چھوڑ دینے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔'' (مزید تفصیل ملاحظہ ہو، شرح سنن أبي داود از شیخ عبدالمحسن، کتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، تحت الحديث: 53)

میرے پاس اور بھی اہل لغت اور ائمہ شارحین کی اس سے متعلق تصریحات موجود ہیں لیکن بات لمبی ہوگئی ہے، امید ہے ہمارا دعویٰ سابقہ تصریحات کی روشنی میں واضح ہوچکا ہوگا اور موصوف مضمون نگار کے مزعومہ نظریے کا ابطال بھی، کہ جس نے مذکورہ تمام الفاظِ حدیث کو اپنے مخصوص موقف کے مطابق ایک خاص معنے کا لبادہ اوڑھانے اور انھیں مخصوص قالب میں ڈھالنے کی مذموم کوشش کی ہے، هدانا الله وإياه.

موصوف کا کیا طریقہ ہونا چاہیے تھا: بات صرف اتنی تھی کہ فراخ دلی سے کہہ دیتے کہ الفاظ اپنے معنی ومفہوم کے مطابق از روئے نصوص، لغوی تصریحات اور شارحینِ حدیث کی تشریحات کے مطابق داڑھی کو بڑھانے، وافر کرنے اور اسے کسی کم وکاست اور چھیڑ چھاڑ کے بغیر اس کی اصلی حالت پر چھوڑنے ہی پر دلالت کرتے ہیں لیکن ہم اس اعفاء وغیرہ کے معنی کی فلاں فلاں صحابی کے عمل سے تخصیص وتقیید کرتے ہیں جیسا کہ موقف ہٰذا کے حاملین محققین کہتے ہیں، تو کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن آپ نے تو کمال ہی کر دیا، اُن چند آثار کی بنا پر ان الفاظ کے حقائق ودقائق ہی کی تاویل کر ڈالی، ان کے مدلولات وقیود کا ستیاناس کر دیا اور اہل لغت کی نقول کی پرواہ تک نہ کی۔ بلکہ الٹا یہ کام کر دکھایا کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے ان کے مقاصد کو ذبح کر دیا اور ان کی اصل مراد پر چھری چلا دی۔

ایک خوفناک جسارت: حافظ عمران موصوف نے لغوی حقائق کو مسخ کرنے کے بعد ایک اور مذموم جسارت کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے موقف کے اثبات اور معترض کا منہ بند کرنے کے لیے فرماتے ہیں: ''اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ رسول اللہ ﷺ سے داڑھی کاٹنا ثابت ہی نہیں ہے، اس لیے یہ عمل غیر مشروع ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی داڑھی اتنی لمبی نہیں تھی کہ اسے کاٹنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔''

پھر فرماتے ہیں: ''معتبر علمائے کرام کے اقوال کے مطابق آپ ﷺ کی داڑھی مشت سے زیادہ نہیں تھی، لہٰذا ان کو داڑھی کٹوانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔'' یہ بات آغاز مضمون میں بھی کر آئے ہیں، فرماتے ہیں: ''کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی معتدل تھی، اس لیے آپ کو داڑھی کٹانے کی ضرورت پیش نہ آئی اور سلف صالحین مشت سے زائد داڑھی کٹاتے تھے۔'' چوتھی اور آخری بار پھر لکھتے ہیں: ''یہ دلائل اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی داڑھی معتدل ومتوسط تھی اس لیے آپ کو داڑھی کٹوانے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔''

انا لله و انا اليه راجعون

مضمون نگار نے اپنے پیش کردہ دلائل اور استدلالات میں جو میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو کے مصداق سابقہ کلام میں جو کیا سو کیا لیکن ادھر تو حد ہی کر دی۔ ان کی عبارات پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ حضرت صاحب بڑے جرأت مند ہیں، اپنے نظریے کے اثبات کے لیے کچھ بھی کہہ سکتے اور کر سکتے ہیں۔ (جاری ہے)

قرآن مجید سارے کا سارا عبرت ونصیحت کے لیے ہے۔ اس میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو بے مقصد اور لایعنی ہو، بلکہ یہ ہمہ گیر مقصدیت کی حامل بے نظیر دستاویز ہے جس کا حرف حرف صدق وسچائی پر مبنی ہے اور رہبری و رہنمائی کا علمبردار ہے۔ اس لحاظ سے قرآن مجید میں جس چیز کا بھی تذکرہ ہے، چاہے، وہ فرد ہے یا قوم، شہر ہے یا بستی، تہذیب وتمدن ہے یا ثقافت وکلچر، وہ اپنے اندر وعظ ونصیحت اور عبرت وموعظت کے بے شمار پہلو رکھتی ہے۔غوروفکر کرنے والے اس سے بہرہ یاب ہوتے ہیں اور غافل وبے پروا لوگ محروم رہتے ہیں۔عقائد اور احکام ومسائل بیان کرنے کے ساتھ قرآن مجید نے بعض شخصیات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ان شخصیات میں خواتین و حضرات دونوں شامل ہیں۔ مردانہ شخصیات ہمارے مضامین کا مقصود نہیں ہیں، اس لیے ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں، خواتین ہماری تحریر کا مطمع نظر ہیں، اس لیے مختلف خواتین کا تذکرہ ہم گاہے گاہے ضیائے حدیث کی قاریات کی نظر کرتے رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں جن خواتین شخصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ مختلف حیثیتوں میں منقسم ہیں، کچھ ماؤں کے پیرائے میں مذکور ہیں اور کچھ کا ذکر بیویوں کے ضمن کیا گیا ہے اور بعض بہنوں کے طور پر بیان ہوئی ہیں اور کچھ کا ذکر عمومی طور پر بغیر کسی تعلق اور رشتے کے کیا گیا ہے۔ جن عورتوں کا ذکر ماں کے طور پر کیا گیا ہے، انھیں ہم گزشتہ سال ''سلسلہ قرآن میں مذکور مائیں'' کے عنوان سے آپ کے گوش گزار کر چکے ہیں، اب پیش خدمت ہے''سلسلہ قرآن مجید میں مذکور بیویاں'' اس سلسلے کی اولین کڑی ہے سیرت ام البشر سیدہ حواء علیہا السلام۔

سیدہ حواء علیہا السلام کی پیدائش

سیدہ حواء علیہا السلام کا ذکر قرآن مجید نے سیدنا آدم علیہ السلام کی بیوی کے طور پر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر ان سے ان کی بیوی سیدہ حواء علیہا السلام کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ ''اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی۔'' (النسآء 1:4)

سیدنا آدم علیہ السلام سے ان کی بیوی سیدہ حواء علیہا السلام کی تخلیق کیسے ہوئی؟ قرآن مجید نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ قرآن مجید کی طرح کسی صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ سے بھی اس کی کوئی تفصیل منقول نہیں ہے، البتہ کئی مفسرین نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ



تذکرہ خاتون اول
ام البشر سیدہ حواء علیہا السلام

طارق جاوید عارفی

سیدہ حواء علیہا السلام کو سیدنا آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: «وَهِيَ حَوَّاءُ عَلَيْهَا السَّلَامُ، وَخُلِقَتْ مِنْ ضِلَعِهِ الْأَيْسَرِ» ''اور یہ حواء علیہا السلام ہیں جو ان (آدم علیہ السلام) کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔'' (تفسیر ابن کثیر، النسآء 1:4)

اسی طرح امام طبری رحمہ اللہ نے امام التفسیر اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''آدم علیہ السلام جنت میں سکونت پذیر ہوئے تو وہ اکیلے چلتے پھرتے تھے، ان کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے وہ راحت وسکون حاصل کرتے، چنانچہ ایک دفعہ وہ سونے کے بعد اٹھے تو ان کے سر کے پاس ایک عورت کھڑی تھی «خَلَقَهَا اللّٰهُ مِنْ ضِلَعِهِ» ''اسے اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا۔'' (تفسیر طبری: 150/4)

امام ابوحیان اندلسی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی بات بیان کی ہے، فرماتے ہیں: «وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا حَوَّاءَ مِنْ ضِلَعٍ مِّنْ أَضْلَاعِهَا» ''اور ان (آدم علیہ السلام) کی بیوی کو ان کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کیا۔'' (تفسیر البحر المحیط: 163/3)

ان مفسرین نے اپنے موقف کی تائید کے لیے اس حدیث سے بھی استدلال کیا جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ» ''تم عورتوں کے بارے میں (خیروبھلائی کی) وصیت قبول کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر کا ہوتا ہے۔'' (صحیح البخاري:3331)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: «قِيلَ فِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ حَوَّاءَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعِ آدَمَ الْأَيْسَرِ وَقِيلَ مِنْ ضِلَعِهِ الْقَصِيرِ» ''کہا جاتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ سیدہ حواء علیہا السلام آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی پیدائش چھوٹی پسلی سے ہوئی ہے۔'' (فتح الباري: 368/6)

علامہ کرمانی اور علامہ عینی حنفی نے بھی اسی طرح ہی کی بات کی ہے، تاہم علامہ قسطلانی نے یوں وضاحت فرمائی ہے: «وَقِيلَ أَرَادَ بِهِ أَوَّلَ النِّسَاءِ أُخْرِجَتْ مِنْ ضِلَعِ آدَمَ الْأَيْسَرِ وَقِيلَ مِنَ الْقُصَيْرَى كَمَا تَخْرُجُ النَّخْلَةُ مِنَ النَّوَاةِ» ''کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اولین خاتون (حواء علیہا السلام) آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے نکالی گئی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چھوٹی پسلی سے نکالی گئی ہیں جس طرح گٹھلی سے کھجور علیحدہ کی جاتی ہے۔'' (إرشاد الساري: 323/5)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بھی صحیح مسلم کی شرح میں اسی مفہوم کی تائید کی ہے، وہ فرماتے ہیں: «هٰذَا مُؤَيِّدٌ مَّا يَنْقُلُهُ الْمُفَسِّرُونَ أَنَّ حَوَّاءَ خُلِقَتْ مِنْ آخِرِ أَضْلَاعِ آدَمَ علیہ السلام» ''اس سے اس موقف کو تقویت ملتی ہے جو مفسرین سے منقول ہے کہ بلاشبہ سیدہ حواء علیہا السلام آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے آخری پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔'' (المفهم: 222/4)

قرآن مجید کے الفاظ: ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور مذکورہ بالا حدیث نبوی ﷺ «الْمَرْأَةُ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ» اور مفسرین و محدثین کی تشریحات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ سیدہ حواء علیہا السلام کی پیدائش آدم علیہ السلام کی بائیں یا چھوٹی پسلی سے ہوئی ہے اور دلائل کی رو سے یہی موقف راجح اور حق ہے، ان شاءاللہ!

لیکن اس کے برعکس کچھ لوگ اس موقف کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ نہیں مانتے کہ سیدہ حواء علیہا السلام، آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ اور رہی وہ حدیث جس میں عورت کی پسلی سے تخلیق کا ذکر ہے تو اس سے حقیقت نہیں بلکہ تشبیہ مراد ہے، یعنی نبی کریم ﷺ نے عورت کی فطرت اور طبیعت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں کجی اور کچھ ٹیڑھ پن ہی رہتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ حقیقت کی بجائے تشبیہ بھی ہوسکتی ہے، لیکن حقیقی معنی مراد لینے کی بجائے تشبیہ مراد لینے کے لیے کسی قرینے اور دلیل کی ضرورت ہے جو کہ نہیں ہے، لہٰذا یہ موقف درست نہیں ہے۔

کچھ اہل علم نے دونوں طرح کے مواقف میں یوں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ خاتونِ اول سیدہ حواء علیہا السلام کی تخلیق حقیقی طور پر پسلی سے ہوئی ہے جیسا کہ قرآن مجید، صحیح احادیث اور مفسرین وشارحین کی تفسیر وتشریح سے واضح ہے اور جس حدیث میں عورت کے پسلی سے پیدا ہونے کا ذکر ہے اس میں عام عورتیں مراد ہیں جنھیں تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اپنی فطرت اور طبیعت میں ٹیڑھ پن اور کجی

رکھتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

سیدہ حواء علیہا السلام کی تخلیق کب ہوئی؟

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ ''اور ہم نے کہا: اے آدم تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو۔'' (البقرة 35:2) سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ حواء علیہا السلام کو سیدنا آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے پیدا کیا جاچکا تھا، لیکن امام سدی رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''ابلیس کو جنت سے نکال دیا گیا اور آدم علیہ السلام کو وہاں آباد کردیا گیا۔ آپ جنت میں اکیلے گھومتے پھرتے تھے۔ ان کا کوئی ساتھی نہ تھا جس سے انھیں تسکین ہوتی، چنانچہ ایک بار وہ سوئے، جب جاگے تو دیکھا کہ ان کے سر کے پاس ایک خاتون بیٹھی ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے پوچھا: تو کون ہے؟ انھوں نے کہا: عورت ہوں۔ پوچھا: تجھے کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ کہا: تاکہ آپ مجھ سے سکون حاصل کریں۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت کا اندازہ کرنا چاہا، چنانچہ انھوں نے سیدنا آدم علیہ السلام سے پوچھا: آدم! اس کا نام کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: حواء۔ فرشتوں نے کہا: اس کا نام حواء کیوں ہے؟ سیدنا آدم علیہ السلام نے کہا: کیونکہ وہ ایک زندہ وجود سے پیدا کی گئی ہے۔'' (تفسیر الطبري: 328/1)

سیدہ حواء علیہا السلام کے ہاں اولاد کا سلسلہ کب شروع ہوا؟

دنیا کی تمام آبادی سیدنا آدم وحواء علیہما السلام سے پھیلی ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے والد ہیں تو سیدہ حواء تمام انسانوں کی والدہ۔ لیکن سیدہ حواء علیہا السلام کے ہاں اولاد کا سلسلہ کب شروع ہوا، کیا جنت میں ان کے ہاں کوئی اولاد ہوئی تھی یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی سب اولاد زمین ہی پر پیدا ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق ان کے کچھ بچے جنت میں بھی پیدا ہوئے جن میں قابیل اور ان کی بہن بھی شامل تھے۔ واللہ اعلم۔

جنت کا ممنوعہ درخت اور سیدہ حواء علیہا السلام کا کردار

اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم وحواء علیہما السلام کو جنت میں داخل کر کے جنت کی تمام نعمتوں سے مستفید ہونے کی عام اجازت عطا فرمادی، لیکن ایک درخت سے منع فرمایا، اسے کھانا تو درکنار رہا اس کے قریب پھٹکنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ لیکن شیطان مسلسل اس کوشش میں تھا کہ انھیں اس ممنوعہ درخت کا پھل کھلادے، چنانچہ وہ دونوں کو بہکانے لگا اور کہنے لگا: ''تمھارے پروردگار نے تم کو اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔'' (الأعراف 20:7) پھر شیطان نے انھیں یقین دلانے کے لیے قسمیں کھائیں کہ میرا یقین کرو، میں تمھارا خیرخواہ ہوں۔ سیدنا آدم وحواء علیہما السلام شیطان کے بہکاوے میں آگئے اور انھوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا۔ پھل کھاتے ہی دونوں کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہوگئیں، اور وہ دونوں اپنے بدنوں پر جنت کے پتے چپکانے لگے۔ (طٰہٰ 121:20)

قرآن مجید نے بعض مقامات پر شیطان کے وسوسہ ڈالنے اور بہکانے کی نسبت صرف سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف کی ہے اور بعض مقامات پر دونوں کی طرف کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں تو شیطان آدم علیہ السلام ہی کے دل میں وسوسہ انداز ہوا تھا، سیدہ حواء کا ذکر بالتبع ہے۔ لہٰذا لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ شیطان نے پہلے حواء علیہا السلام کو بہکایا اور پھر اس کے ذریعے سے آدم علیہ السلام کو اپنے جال میں پھنسایا، لہٰذا عورت شیطان کا پھندا یا جال ہے جس کے ذریعے وہ مردوں کو شکار کرتا ہے، سراسر لغو اور بے ہودہ بات ہے جو اہل کتاب سے منقول ہے۔ حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: «وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ أُنْثٰى زَوْجَهَا» ''اگر حواء نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند کی خیانت نہ کرتی۔'' (صحیح البخاري: 3330، و صحیح مسلم: 1468) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سیدہ حواء علیہا السلام نے سیدنا آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ سیدہ حواء علیہا السلام کے ذمے اپنے خاوند کی خیرخواہی کا جو فریضہ تھا، وہ اس میں کوتاہی کی مرتکب ہوئیں۔ انھیں چاہیے تھا کہ وہ اپنے خاوند کو اللہ تعالیٰ کی تلقین یاد

کراتیں اور درخت کا پھل کھانے سے روکتیں، لیکن انھوں نے روکا نہیں بلکہ وہ خود ان کے ساتھ شریک ہوگئیں۔ اس کوتاہی کو حدیث میں خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی غلط تعبیر کو بنیاد بنا کر خواتین کی کردار کشی کرنا مناسب نہیں ہے۔

زمین پر نزول

جنت کا ممنوعہ درخت کھاتے ہی سیدنا آدم و سیدہ حواء علیہما السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ دونوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور حضورِ قلب سے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔'' (الأعراف 23:7) اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور حکم فرمایا: ﴿اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ ''(تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان (کردیا گیا) ہے۔'' (الأعراف 24:7) یعنی نافرمانی کی معافی کے باوجود اب تمھیں اور تمھاری اولاد سب کو زمین ہی پر رہنا ہوگا جس کی خلافت کے لیے تمھیں پیدا کیا گیا ہے۔ اور تم اور شیطان ایک دوسرے کے دشمن ہو، لہٰذا شیطان سے بچ کر رہنا۔ سیدہ حواء اور آدم علیہما السلام کو جس دن جنت سے اتارا گیا یہ جمعہ کا دن تھا۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے، اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی میں جنت میں داخل کیے گئے اور اسی میں اس سے نکالے گئے۔'' (صحیح مسلم: 854)

سیدہ حواء علیہا السلام کو کہاں اتارا گیا؟

سیدنا آدم اور سیدہ حواء علیہما السلام کو کہاں اتارا گیا؟ قرآن و احادیث دونوں اس بارے میں خاموش ہیں، تاہم صحابہ و تابعین سے بعض مقامات کی صراحت ملتی ہے جو اہل کتاب ہی سے منقول لگتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو مکہ اور طائف کے درمیان ''دحنا'' نامی جگہ پر اتارا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو صفا پہاڑی اور حواء علیہا السلام کو مروہ پہاڑی پر اتارا گیا۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا اور حواء علیہا السلام کو ''جُدہ'' میں اور ابلیس کو بصرہ سے چند میل دور دستمیان نامی جگہ پر اتارا گیا۔ واللہ أعلم۔ (البدایہ والنہایہ)

سیدنا آدم اور سیدہ حواء علیہما السلام کے زمین پر اترنے کے بعد دونوں کے درمیان دنیاوی زندگی کا وہ سفر شروع ہوگیا جس کے لیے انھیں پیدا کیا گیا تھا اور ایک دوسرے کا جوڑ بنایا گیا تھا، چنانچہ بنی نوع انسان کی اولین ماں سیدہ حواء علیہا السلام سے بچوں کی پیدائش ہوکر زمین پر انسانوں کی آبادی پھیلنے لگی۔ سیدہ حواء کے ہاں بچوں کی پیدائش کیسے ہوتی تھی، اس کی کوئی صراحت قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ مفسرین اور مؤرخین نے اس حوالے سے مختلف اقوال بیان کیے ہیں۔ امام طبری نے اپنی تاریخ میں ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام کے ہاں دو دو کرکے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ ایک قول کے مطابق ایک سو بیس جوڑے پیدا ہوئے۔ ہر بار ایک لڑکے اور ایک لڑکی کی ولادت ہوتی تھی۔ اس کے بعد انسانوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا گیا اور وہ زمین میں بکھر گئے اور دور دور تک آباد ہوگئے۔ اسی اولین اولاد میں قابیل اور ہابیل کو خاص شہرت حاصل ہے کیونکہ قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا آدم و سیدہ حواء علیہما السلام دونوں غمزدہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تسلی دی اور ایک اور بیٹا عطا فرمایا۔ سیدہ حواء علیہا السلام نے اس کا نام ''شیث'' رکھا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ہابیل کا نعم البدل عطا کیا ہے جسے قابیل نے قتل کردیا تھا۔ شیث کا مطلب ہے اللہ کا دیا ہوا تحفہ۔

سیدہ حواء علیہا السلام کی وفات

سیدنا آدم علیہ السلام کی وفات کا ذکر بعض روایات میں مذکور ہے لیکن سیدہ حواء کی وفات کا ذکر صحیح سند سے کہیں نہیں ملتا ہے، تاہم سیدنا آدم علیہ السلام کی وفات سے متعلقہ روایات سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ سیدہ حواء سیدنا آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت بقید حیات تھیں اور ان کی وفات سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد ہوئی۔



آپ دیکھیں خواب اور ہم بتائیں تعبیر

ایک مفید اور دلچسپ سلسلے کا آغاز

تعبیر کنندہ: مولانا عبدالحلیم شرر

خواب: میں خواب دیکھتی ہوں کہ میں اور میرا منگیتر مری جیسے سرسبز وشاداب گھنے پہاڑ پر گھوم پھر رہے ہیں۔ اچانک شور سا محسوس کر کے اوپر دیکھتی ہوں کہ فوجی جنگی ہیلی کاپٹر سے رسوں کی مدد سے چند کمانڈو لٹکے کسی کی تلاش میں لہراتے آ رہے ہیں۔ میں اور میرا منگیتر ڈر جاتے ہیں۔ اب میں موٹر سائیکل پر اپنے منگیتر کے پیچھے بیٹھی بچتے بچاتے بھاگتے ہوئے پہاڑی سڑک پر آ جاتے ہیں کہ رسے سے لٹکے ایک کمانڈو نے مجھے پکڑنے اور اوپر کھینچ لینے کی کوشش کی مگر ہم بغلی سڑک پر مڑ جاتے ہیں۔ سین بدلتا ہے!! میں اپنے گھر کے باغیچے میں بیٹھی ہوں۔ میرا لباس پیلے رنگ کا ہے کام کڑھائی کا بڑا خوبصورت لگ رہا ہے۔

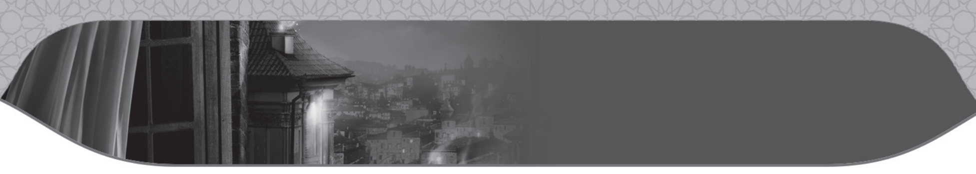
تعبیر: ہیلی کاپٹر کو دشمنی ماحول میں دیکھنا اپنے شہر کے کسی طاقتور جادوگر کی تعبیر ہے۔ اور کمانڈو! دشمنی یا بندش میں کیے گئے تعویزات ہیں اور ان سے بچ نکلنا جادو کی زد میں آنے سے بچنا ہے۔ اور موٹر سائیکل منگیتر کی مالی پوزیشن کی علامت ہے! یعنی معمولی تنخواہ دار بندہ ہے۔ اپنے گھر میں پیلے رنگ کا لباس پہنے ہوئے دیکھنا پوری خواب کا نتیجہ خیز پوائنٹ ہے! یعنی پیلا لباس لڑکی کا پہننا شادی نہ ہونے کی علامت ہے۔ یعنی معلوم یہ ہوا کہ آپ کی شادی کسی سخت جادو کے کامیاب وار کی وجہ سے نہیں ہو رہی۔

احتیاطی تدابیر

آسیبی دشمنوں سے بچنے کے لیے ورد وظائف سے بھی پہلے اللہ پر خالص توکل کی ضرورت ہے۔ مستقل ورد وظائف سے بھی مراد حاصل نہ ہو رہی ہو تو جان لیں اللہ آپ کے صبر اور توکل کو چیک کر رہا ہے۔ بالفرض تمھیں مراد نہیں ملی مگر تمھارے صبر اور توکل پر اللہ راضی ہو گیا تو یاد رکھو تمھارا شمار اولیاء اللہ میں ہو گا۔

خواب: بیرون ملک بہتر روزگار کی غرض سے استخارہ کیا تو خواب آیا کہ سرسبز پہاڑوں میں دامن کوہ کی مانند کوئی جگہ ہے، اونچے اونچے خاصے درخت ہیں۔ درختوں کے نیچے ایک بڑا اژدھا چل رہا ہے۔ سانپ چارپائی کی چوڑائی کے برابر چوڑا اور بہت ہی لمبا ہے۔ سین بدلتا ہے! اب میں سانپ کے اوپر چل رہا ہوں اور پاؤں میں وہ خالی خالی محسوس ہو رہا ہے، شاید دو چار چیزیں پاؤں میں محسوس کرتا ہوں۔

(عبدالوارث، گوجرانوالہ)



تعبیر: اس خواب میں بڑا سانپ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے پاس کامیاب ہنر ہے۔ درختوں کے نیچے سانپ کا چلنا اس بات کی علامت ہے کہ لوگ آپ کے ہنر کے بھی معترف ہوں گے، پاؤں کے نیچے سانپ کا جسم خالی محسوس ہونا روزگار نا چل سکنے کی علامت ہے۔ جتنے قدم سانپ کے جسم پر چلے، اتنے سال پردیس کاٹ کر نا کام لوٹ آؤ گے!

نوٹ: اللہ کی طرف سے واضح راہنمائی مل گئی ہے کہ بیرون ملک جانا آپ کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

خواب: ہمارے کچے گھر کا کھلا سا کچا صحن ہے۔ جس کی کچی چھوٹی دیوار ہے۔ پڑوس میں ہماری پھوپھی اور اس کی بیٹی کا گھر ہے۔ میں دیکھتی ہوں کہ ہمارے صحن میں کالا کپڑا جائے نماز کے برابر ہوگا بچھا ہوا ہے۔ میں دیکھتی ہوں کہ دو جانور گوہ کی طرح کے پھوپھی کی دیوار پر سے نمودار ہوتے ہیں اور دونوں ہمارے صحن میں موجود کپڑے پر آ گرتے ہیں۔

(ب، ع نارووال)

تعبیر: صحن میں بچھا کالا کپڑا، محدود مگر مضبوط کاروبار کی علامت ہے۔ پھوپھی کی دیوار پر سے آنے والے گوہ اور ان کا کپڑے پر گرنا آپ کے کاروبار کی بندش کے لیے کیے گئے جادو کے دو کامیاب وار ہوجانے کی علامت ہے۔ آپ کی پھوپھی اور اس کی بیٹی آپ کے دشمن اور حاسد ہیں۔

احتیاطی تدابیر

گھر کا فرد واحد جو کماؤ بندہ ہے وہ خود پانچ وقت نماز روزانہ تلاوت پر باقاعدگی ثابت کرے گا تو بچے گا۔

خواب: میں دیکھتا ہوں کہ بہت اونچی اونچی دیواروں والا کوئی گھر ہے، شک پڑتا ہے کہ وہ میرے سسرال والوں کا گھر ہے! میں دروازے پر پہنچتا ہوں، بیل دیتا ہوں۔ سر اوپر اٹھاتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ پرانے زمانے کے جانور ڈائنوسار وغیرہ دیواروں کے اوپر سے سر نکالے دکھائی دے رہے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ گھر ہے یا کوئی احاطہ ہے جس کی اونچی دیواریں ہوں اور اندر ڈائنوسار وغیرہ جانور ہوں۔ (عامر جواد، سیالکوٹ)

تعبیر: پرانے زمانے کے جانور ڈائنوسار وغیرہ ایسے خاندان کی طرف اشارہ ہے جو کہ جدی پشتی بدمزاج اور بگڑے ہوئے افراد پر مشتمل ہے، بغیر بأ مرمجبوری سسرال والوں کے گھر آنا جانا بالکل بند کردیں، ورنہ جوتیوں میں دال کھانا پڑے گی۔

خواب: میں اپنی دکان میں بیٹھا ہوں، چھپکلیاں غالباً تین ہیں۔ اڑتی ہوئی کھلے دروازے سے اندر آتی دکھائی دیتی ہیں، ایک میرے کندھے پر آ کر چمٹ جاتی ہے۔ دوسری میرے بازو پر تیسری میری ران پر چمٹ جاتی ہے۔ میں گھبراہٹ کے عالم میں ان سے بچتا اور ان کو جھاڑتا ہوں۔ (عبدالقدوس، جدہ)

تعبیر: خواب میں چھپکلیاں طوائف اور فاحشہ قسم کی عورتیں ہیں۔ آپ کی دکان اس قسم کی ہے کہ اس میں عورتوں کی آمدورفت زیادہ ہے۔ منصوبے کے ساتھ تین خوبصورت طوائف قسم کی عورتیں آپ کے مال اور عزت کے درپے ہیں۔ انتہائی ہوش مندی اور پاکدامنی کی ضرورت ہے!

خواب: میں اپنے گھر کی چھت پر لیٹا ہوں اچانک محسوس کرتا ہوں کہ جنگ لگ گئی ہے (یاد رہے کہ یہ خواب چار پانچ سال پرانی ہے، جب انڈیا اور پاکستان کے درمیان بجائے کشیدگی کے محبت اور دوستی کی پینگیں جھول رہی تھیں!! یعنی حالت امن میں یہ خواب آیا تھا) چھت پر لیٹا آسمان پر سرخ نیلی تیز روشنیوں اور جنگی جہازوں کی خوفناک گڑگڑاہٹ سن کر گھبرا جاتا ہوں۔ جدید جنگی جہازوں میں لیزر گنیں لگی ہیں۔ اور اپنے ٹارگٹ پر لیزر سے حملہ کررہے ہیں۔ اور میں سخت گھبرایا ہوا ہوں اور لیزر لائٹ سے بچنے کی کوشش کررہا ہوں۔

(عبدالمنعم، جدہ)

تعبیر: اپنے گھر کے اوپر جنگی ماحول دیکھنا جنگی جہاز دیکھنا، آپ کے دشمنوں کے انتہائی مکار اور صاحب اختیار ہونے کی علامت ہے۔ لیزر گنوں والے جنگی جہاز! کسی دور دراز علاقے میں موجود انتہائی خطرناک کامیاب جادوگر اور اس کے کامیاب آسیبی تعویذات کی علامت ہے، لیزر گنوں کی لائٹیں کسی مقام پر پڑنا وہاں کے رہنے والوں کے آسیب زدہ ہوجانے یا جادو کی زد میں آجانے کی علامت ہے۔ جتنی لیزر لائٹیں آپ نے دیکھیں اتنے سال آپ

بقیہ صفحہ نمبر 70 پر



سمجھوتا کیسے ہو

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

سمجھوتا کے معنی ہیں ایک دوسرے کو سمجھ لینا۔ اس کو انڈرسٹینڈنگ کہا جاتا ہے۔ سمجھوتا یا انڈرسٹینڈنگ یک طرفہ نہیں ہوسکتی، دونوں طرف سمجھوتے کا میلان موجود ہونا چاہیے۔ بہت ساری چیزیں ہمیں اس وقت ناگوار بلکہ ناقابل برداشت لگتی ہیں جب وہ اپنی الگ پہچان رکھتی ہوں مگر جب وہ دوسری اشیاء سے سمجھوتا کرلیتی ہیں تو ایک نئی، مختلف خوشگوار اور قابل قبول شے بن جاتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں اس کی مثالیں جابجا نظر آتی ہیں، مثلاً: کھانے پینے کی اشیاء میں مختلف چیزوں کا استعمال مناسب مقدار میں کیا جاتا ہے تو وہ مزے دار ڈش بن جاتی ہے۔ صرف سرخ مرچ یا دیگر مصالحے الگ الگ کون پھانک سکتا ہے؟ کیا کوئی مزیدار سالن بنانے والے ان مصالحوں کو الگ الگ کھا کر لطف اندوز ہوسکتا ہے؟ یہ گمان رکھ کر کہ سب چیزوں نے پیٹ میں ہی جانا ہے۔ مصالحے اصل میں ڈالے ہی اس لیے جاتے ہیں کہ ایک چیز کو دوسرے سے ملا کر بہتر چیز پیش کی جائے۔ ایک مصالحے کے مضر اثرات کی دوسری چیز سے اصلاح ہوجائے اور معتدل ہوجائے۔ یہی سمجھوتا اور انڈرسٹینڈنگ ہے۔ ازدواجی زندگی کی مزیدار ڈش سے لطف اندوز ہونے کے لیے مزاجوں کے مصالحے الگ الگ نہ پھانکے جائیں۔ رشتہ تلاش کرتے ہوئے ''کفو'' کی تلقین اسی لیے کی گئی ہے کہ باہم انسانی کمزوریوں اور خوبیوں کے امتزاج اور سمجھوتے کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے؟

قرآن پاک میں بھی زوجین کے درمیان تعلق کو خوشگواری سے استوار رکھنے کی یہی کلید بتائی گئی ہے۔ اور بے شک زوجین کے لیے برابر نصیحت ہے مگر مخاطب مرد کو کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ ''قوام'' بنایا گیا ہے۔ ازدواجی زندگی کو قائم رکھنے یا نہ رکھنے کا بنیادی فیصلہ اس کے ہاتھ میں دیا گیا ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ ''اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح رہن سہن رکھو، اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم (اس کی) کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اسی میں بہت سی بھلائی رکھ دی ہو۔''

(النسآء 19:4)

سمجھوتا یا انڈرسٹینڈنگ صرف کسی کی ناپسندیدہ عادت کو برداشت کرنے کا نام نہیں ہے۔ دراصل اپنے ساتھی کی خوبیوں کو سمجھ لینا، تسلیم کرلینا، قدر کرنا بھی انڈرسٹینڈنگ ہے۔ اگر کسی خاص سانچے میں ڈھلی ڈھلائی بیوی نہیں ملی تو اس میں بیوی کا قصور نہیں ہے مرد کی اعلیٰ ظرفی کا امتحان ہے کہ وہ ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ کے تقاضے کتنے پورے کرتا ہے؟ اور ایک ناپسندیدہ یا اپنے معیار پہ پوری نہ اترنے والی عورت کے اندر کوئی خیر کا پہلو کیسے تلاش کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شوہر کو یہ کام بھی سونپا ہو کہ جو خیر میں نے اس عورت میں بھی ظاہر نہیں کی پوشیدہ ہے وہ اس کی کھوج کرے۔ تلاش کرے اس کی جستجو بھی کرے۔ ویسے بھی مرد میں عورت کے بارے میں تجسس اور اس کو ''فتح'' کرنے کا جذبہ ہر عمر میں موجود رہتا ہے۔ اپنی ایک بیوی کی شناخت اور پہچان مکمل کرنا چاہیں تو ساری

عمر کے لیے ایک بیوی ہی کافی ہے۔ عورت جسمانی، ذہنی اور جذبات اور روحانی ہیئت میں ایک گہرا سمندر ہے۔ اس کی عمیق گہرائی تک پہنچنے کے لیے ایک خاص ظرف کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ظرف حکمت سے پیدا ہوتا ہے اور حکمت طلب کرنے سے ملتی ہے اس کے لیے اپنے نفس سے لڑنا پڑتا ہے اور یہی حکمت و دانائی ہے جس کی وجہ سے صالحین کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ ﴿رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ ''اے اللہ! مجھے علم و دانش عطا کر اور نیکوکاروں میں شامل کر۔'' (الشعرآء 83:26)

سمجھوتے کو سمجھنا ہو تو گلاب اور اس کے ساتھ لگے کانٹے کی مثال بہترین ہے۔ کانٹے کی موجودگی پھول کی خوشبو اور پیاری بناوٹ اور رنگت کے لیے کسی نے مضر نہیں پائی۔ جس کو گلاب ہاتھ میں پکڑنا ہے کانٹے سے سمجھوتا کرنے کا سلیقہ آنا چاہیے۔ مرد اور عورت دو الگ الگ وجود ہوتے ہیں مگر جب میاں بیوی کے رشتے میں بندھے جاتے ہیں تو ایک ایسے سکے یا نوٹ کی مانند ہوجاتے ہیں جس کی وقعت، اہمیت اور قدروقیمت برابر ہوتی ہے۔ اگرچہ سکے یا نوٹ کے دونوں رخ پہ الگ تصویر نظر آرہی ہو۔ نوٹ یا سکہ اپنی قدروقیمت میں دونوں طرح سے یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ زندگی کی مارکیٹ میں دونوں کو یکساں مواقع عطا کیے گئے ہیں کہ اپنی مہلت عمر کے سکے اور صلاحیت سے ''حیاۃ طیبۃ'' گزار سکیں۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''جو بھی کوئی مومن عمل صالح کرے گا وہ مرد ہو یا عورت، ان کو ہم دنیا میں بہترین پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور آخرت میں ان کے اعمال کا بہت اچھا صلہ عطا فرمائیں گے۔'' (النحل 97:16)

سمجھوتے اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے سے انسانی تربیت میں مثبت ارتقاء بھی ہوتا ہے۔ تحمل، حوصلہ درگزر اور نفس میں غنا پیدا ہوتا ہے۔ مرد اور عورت ایک ایسی مکمل شے کے دو الگ جزو کی مانند ہیں جو زگ زیگ کی شکل میں درمیان سے کاٹ دی گئی ہے۔ نکاح وہ ''پاسورڈ'' ہے جس کے نتیجے میں دو الگ وجود یکجا ہوجاتے ہیں۔ اب ٹیڑے کاٹے ہوئے ٹکڑوں کو ایک کرنے کے لیے نوکدار کونے چبھیں گے۔ کمال یہ ہے کہ دونوں ٹکڑے اس مہارت سے جوڑے جائیں کہ جوڑ کا پتہ نہ چلے۔ جو جتنی حکمت رکھتا ہوگا اتنا ہی اس کام میں ماہر ہوگا۔ ماہر ہونا بہت بڑی کامیابی ہے اور اس مہارت کے لیے ہمارے سامنے ایک ارشاد نبوی موجود ہے: ''سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بہتر ہے۔'' (سنن ابن ماجۃ: 1977) اور ماہر ہونے کی گواہی بیوی سے ہی لی جائے گی۔ ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ آمین

جب وہ دن بھر کلمہ پڑھنے



ابوحمنہ ذکاء اللہ سلیم حفظہ اللہ

ضیائے حدیث کے شمارہ فروری 2016ء میں ڈیوڈ وائٹ (داؤد) کا انٹرویو شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے اپنے قبولِ اسلام کے ضمن میں اپنے ایک دوست صلاح الدین کا ذکر کیا تھا۔ جنھوں نے خود اسلام قبول کرنے کے بعد داؤد کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ حسب وعدہ اب اس کا انٹرویو پیش خدمت ہے۔

ضیائے حدیث السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

صلاح الدین وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضیائے حدیث انٹرویو کی ابتدا آپ کی ذاتی معلومات سے کرتے ہیں۔آپ کا پیدائشی نام کیا ہے؟

صلاح الدین میرا اصل نام CarltonRowe (کارلٹن رو) ہے جسے قبولِ اسلام کے بعد میں نے تبدیل کرلیا ہے۔ اور اب میں ''صلاح الدین'' ہوں۔

ضیائے حدیث آپ کی عمر کیا ہے؟

صلاح الدین میری عمر چالیس سال ہے۔

ضیائے حدیث آپ کی تعلیمی قابلیت اور پیشہ یا مشغلہ کیا ہے؟

صلاح الدین میں نے Fitness Training (فٹنس ٹریننگ) میں ڈپلومہ کیا ہے اور اب کام بھی یہی کرتا ہوں۔

ضیائے حدیث آپ کے خاندان میں سے کوئی اور بھی مسلمان ہے؟

صلاح الدین میرے اپنے گھر میں سے تو کوئی مسلمان نہیں ہے، البتہ ایک دور کا رشتہ دار مسلمان ہے۔

ضیائے حدیث کیا آپ کے والدین بقید حیات ہیں؟

صلاح الدین جی ہاں!

ضیائے حدیث آپ کے کتنے بھائی اور بہنیں ہیں؟

صلاح الدین تین بھائی اور دو بہنیں ہیں۔

ضیائے حدیث آپ نے اسلام کب قبول کیا؟

صلاح الدین دسمبر 2012ء میں۔

ضیائے حدیث اسلام کی طرف سفر کب اور کیسے شروع ہوا؟

صلاح الدین یہ سفر تو بہت دیر سے جاری تھا مگر اسلام قبول کرنے میں بہت تاخیر ہوئی۔ کئی سالوں تک شیطان کے دھوکے میں مبتلا رہا۔ بہرحال ہرکام اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے اپنے مقرر وقت ہی پر ہوتا ہے۔ دراصل میرے کچھ مسلمان دوست تھے جو مجھے ہمیشہ اسلام کی دعوت دیتے رہتے تھے مگر میں ان کی بات سننے اور سمجھنے کی بجائے ان سے ہمیشہ بحث وتکرار کرتا رہتا تھا۔ بالآخر انھوں نے مجھے کچھ کتابیں دیں جن میں قرآن مجید بھی شامل تھا۔ ابتداءً تو میں نے ان کتابوں کو اور بالخصوص قرآن مجید کو اس خیال سے پڑھنا شروع کیا کہ مجھے ان میں یقیناً ایسی کمزوریاں ملیں گی



...ے کے لیے بے تاب رہا......!

Carlton Rowe کے قبولِ اسلام کی ایمان افروز داستان

جیسی بائبل وغیرہ میں ہیں۔ مگر معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ میں جوں جوں انھیں پڑھتا گیا میرا دل اسلام کی طرف کھنچتا گیا۔

ضیائے حدیث کیا آپ پہلے عیسائی تھے؟

صلاح الدین بس نام نہاد عیسائی تھا۔ چرچ وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، البتہ وجود باری تعالیٰ پر ایمان ضرور رکھتا تھا۔

ضیائے حدیث کیا آپ عقیدہ تثلیث کو نہیں مانتے تھے؟

صلاح الدین نہیں! کبھی نہیں! یہ عقیدہ تو میری سمجھ سے ویسے ہی بالاتر تھا۔

ضیائے حدیث اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کب کیا؟

صلاح الدین جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ قرآن مجید اور دیگر اسلامی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد میرا دل تو اس بات کو تسلیم کر چکا تھا کہ اسلام ہی سچا دین ہے مگر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے میں بعض وجوہات کی بنا پر تاخیر ہوتی گئی۔

ضیائے حدیث کیا والدین یا رشتہ داروں کا ڈر تھا؟

صلاح الدین نہیں بالکل نہیں۔

ضیائے حدیث کیا حالیہ مسلمانوں کا کردار تو رکاوٹ کا باعث نہیں تھا؟

صلاح الدین کسی حد تک یہ رکاوٹ تھا۔ بالخصوص آج سے تقریباً بیس برس قبل تک، جبکہ برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد اس قدر نہیں تھی جیسی آج کل ہے اور نہ ہی اس قدر مختلف مسلم ممالک کے باشندے تھے جیسے گزشتہ چند سال سے نظر آرہے ہیں۔ مساجد، مدارس اور مسلمانوں کے خاص محلے اور دکانیں وغیرہ بھی زیادہ نہیں تھیں جس کی وجہ سے غالباً مسلمان بہت زیادہ اقلیت کی بنا پر اپنے دین اور مذہب کے شعائر کا اظہار بھی نہیں کرتے تھے بلکہ بسا اوقات بہت سے غیر اسلامی امور میں بھی بلا جھجک ملوث ہوجاتے تھے حتی کہ مسلمان اور غیر مسلمان میں فرق کرنا مشکل ہوتا تھا۔ ایسی صورتحال میں کوئی غیر مسلم مسلمانوں کے کردار سے کیونکر متاثر ہوسکتا تھا؟ الحمدللہ! اب تو حالات بہت بدل گئے ہیں، مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے، مساجد اور اسلامی مراکز کا جال بچھ گیا ہے اور سیاست، معیشت اور معاشرت ہر میدان میں مسلمانوں کی نمائندگی نظر آتی ہے۔ خصوصاً دعوت دین کا دائرہ کار بہت وسیع ہوگیا ہے۔ اسی لیے آپ دیکھتے اور سنتے ہیں کہ لوگ تیزی سے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر رہے ہیں۔ الحمدللہ۔

ضیائے حدیث اس کے علاوہ اسلام قبول کرنے میں کون سی چیز آپ کے لیے رکاوٹ بنی رہی؟

صلاح الدین حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑی رکاوٹ میری اپنی بری عادات اور جرائم کی لت تھی اور پھر اس کے ساتھ ساتھ شیطان کا دھوکا کہ پہلے گناہوں کی دلدل سے نکل جاؤں پھر اسلام قبول کرلوں گا۔ میں جب کبھی اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرتا تو یہی شیطانی وسوسہ آڑے آجاتا۔ حتی کہ وقت گزرتا گیا اور میرے دماغ میں ابلیسی وساوس اور فطرت سلیمہ کے مابین کشمکش چلتی رہی۔ پھر وہ وقت آیا جب میرے کچھ جرائم پیشہ لنگوٹیے جیل میں چلے گئے، کوئی کار حادثے میں مارا گیا تو کوئی قتل ہوگیا۔ ایک دوست وہ بھی تھا جو میری طرح اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر چکا تھا مگر اس نے کلمہ نہ پڑھا اور وہ قتل ہوگیا۔ اس واقعے نے خصوصاً مجھے سوچنے پر مجبور کردیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک روز میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوجائے اور پھر

میں اللہ کے سامنے اپنا کوئی عذر بھی پیش نہ کر سکوں کیونکہ حق تو کھل کر میرے سامنے آچکا ہے۔ پھر مجھے ایک مسلمان دوست کی بات بھی بہت یاد آئی جس نے ایک موقع پر مجھ سے کہا تھا کہ ''گنہگار مسلمان ہوکر مرنا اچھے اور باکردار کافر ہوکر مرنے سے بہتر ہے، لہٰذا تم اپنے گناہوں کو اسلام قبول نہ کرنے کا بہانہ نہ بناؤ۔'' چنانچہ ان سب حالات کے پیش نظر میں نے ہمت باندھی اور حتمی فیصلہ کرلیا کہ اب دائرہ اسلام میں داخل ہونا ہی ہے۔

بالآخر ایک روز صبح جب بیدار ہوا تو یہ عزم مصمم لے کر کہ آج ہی اسلام قبول کرنا ہے اپنے اس مسلمان دوست کو فون کیا، جو گزشتہ کئی سالوں سے مجھے سمجھاتا رہا اور کبھی ہمت نہ ہارا کہ تم آج کسی وقت مجھ سے ملاقات کرو یا مجھ سے کہو کہ میں تمھارے پاس ملنے آجاؤں۔ وہ چونکہ مصروف تھا اس لیے اس نے کہا کہ میں تمھیں بعد میں بتلاؤں گا کہ کیسے اور کہاں ملاقات ہوسکتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اس ایک دن میں دو تین بار اسے فون کیا کیونکہ میں کلمہ پڑھنے کے لیے بہت بے تاب تھا مگر اسی دوست کی معیت میں اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دراصل میں بہت پہلے سے یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ جب کبھی بھی اللہ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اسی دوست کے ذریعے ہی سے کروں گا۔ چنانچہ وہ سارا دن اسی انتظار میں گزر گیا مگر اس سے ملاقات نہ ہوسکی۔ شام سورج ڈھلنے کے بعد میرا انتظار پریشانی اور غصے میں بدل گیا۔ میں نے ایک بار پھر اسے فون کیا اور اس سے کہا کہ ''کیا تم نہیں چاہتے کہ میں آج کلمہ پڑھوں؟'' میری یہ بات سن کر وہ خوشی سے چونک اٹھا اور تاخیر کی معذرت کرتے ہوئے فوری طور پر ملاقات کے لیے شتابی کا اظہار کرنے لگا۔ میں نے کہا کہ اب تو رات ہوچکی ہے، وقت گزر گیا، مسجدیں بھی بند ہوگئی ہوں گی، اب ملاقات کا کیا فائدہ۔ درحقیقت میں نے یہ سن اور سمجھ رکھا تھا کہ مسلمان ہونے کے لیے مسجد میں جاکر سب نمازیوں کے روبرو کلمہ پڑھنا ہوتا ہے۔ مگر اس دوست نے کہا کہ ''نہیں! ابھی وقت ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر تک تمھارے پاس پہنچتا ہوں۔'' آخرکار وہ اگلے آدھے گھنٹے کے اندر اندر میرے دروازے پہ آپہنچا۔ میں گلی ہی میں اس کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے وہیں شہادتین کا اقرار کروایا اور اس طرح میں حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ الحمدللہ۔

ضیائے حدیث آپ کو تو پھر اپنے قبول اسلام کا دن، تاریخ اور وقت سب کچھ یاد ہوگا؟

صلاح الدین جی بالکل! یہ 21 دسمبر 2012ء جمعہ کا دن تھا اور رات تقریباً دس بجے کا وقت تھا۔

ضیائے حدیث آپ نے بار بار یہ تو کہا کہ اسلام کی حقانیت تسلیم کرنے کے بعد کلمہ پڑھنے میں تاخیر ہوئی۔ کیا یہ بتانا پسند کریں گے کہ مجموعی طور پر یہ تاخیر کتنے ماہ یا کتنے سال ہوئی؟

صلاح الدین تقریباً دس سال۔ اللہ کا شکر ہے اس دوران مجھے موت نہیں آگئی۔ اس سے آپ یہ بھی اندازہ کرسکتے ہیں کہ گناہوں کی نحوست انسان کو کس قدر خیر سے محروم کردیتی ہے۔ بہرحال بالآخر اللہ نے مجھے ہدایت نصیب فرما ہی دی۔

ضیائے حدیث پھر قبول اسلام کے بعد آپ نے خود کو کیسے بدلا؟

صلاح الدین جب میں نے کلمہ پڑھا تو سب سے پہلے تو یہ خوشی ہوئی کہ اللہ کی رحمت سے پچھلے گناہ معاف ہوگئے ہیں مگر ساتھ ہی شیطان نے پھر اپنی کارروائی شروع کردی۔ پھر شیطانی وساوس شروع ہوگئے کہ ابھی تو میں مکمل طور پر ذہنی لحاظ سے تیار ہی نہیں کہ گناہوں کو چھوڑوں مگر اب ان خیالات کے ساتھ ساتھ دل کی ملامت بھی بڑھتی جارہی تھی۔ کیونکہ اب میں مسلمان ہوکر وہی گناہ کیے جارہا تھا جو حالت کفر میں کرتا تھا۔ ضمیر سخت ملامت کرتا تھا مگر شیطان نے بھی خوب زور لگایا۔ تقریباً چھ ماہ اسی تذبذب میں گزرے اور اس دوران میرے اس دوست کے سوا کسی کو میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ تھی جس نے مجھے کلمہ پڑھایا تھا۔ حتی کہ اب رمضان المبارک قریب آگیا اور میں نے سوچا کہ اب اپنی اصلاح کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ چنانچہ ایک روز میں اپنے ایک دوست (David داؤد جن کا ابتداء میں ذکر ہوا ہے) سے ملنے ان کے گھر گیا۔ میری موجودگی ہی میں اس کے بیٹے نے اسے اسلام کی دعوت دینا شروع کردی (کیونکہ بیٹا باپ سے پہلے مسلمان ہوچکا تھا۔) دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے سے تکرار کرنے لگے۔ میں خاموش ان کی گفتگو سنتا رہا۔ دوران بحث بیٹے نے باپ سے کہا کہ ''ابا!

اگر آپ اسی طرح حالت کفر میں فوت ہوگئے تو ٹھکانہ جہنم ہوگا۔'' یہ سن کر باپ سخت غصے میں آ گیا۔ طیش سے اس کی آواز بلند اور رگیں پھول گئیں۔ اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے میں نے کہا: ''داؤد، اپنا غصہ تھوکو اور سنو! میں بھی مسلمان ہوچکا ہوں۔'' میرا یہ جملہ ان دونوں کے لیے حیرت کا باعث بن گیا۔ داؤد کی تو گویا آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پھر میں نے اسے سمجھایا اور کھل کر اسلام کی دعوت دی۔ مجلس برخواست ہونے پہ جب میں روانہ ہونے لگا تو اس کے بیٹے سے (جس کا نام عبدالغفور تھا) میں نے ذکر کیا کہ میں اگرچہ چند ماہ قبل مسلمان ہوگیا تھا مگر عملی طور پر میں نے ابھی تک کچھ نہیں کیا اور اب سنا ہے کہ رمضان المبارک قریب آرہا ہے، لہٰذا مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا چاہیے۔ وہ کہنے لگا کہ'' آپ نے مجھے اپنے بارے میں بتا دیا ہے، لہٰذا اب میں آپ کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں، تیار ہوجاؤ رمضان شروع ہونے میں صرف دو ہفتے باقی ہیں۔'' پھر اس نے میرے لیے وضو اور نماز کی کتب کا انتظام کیا جن سے میں نے سیکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب رمضان شروع ہوا تو میں ذہنی طور پہ خود کو بدلنے کے لیے تیار تھا۔ روزے رکھنے شروع کردیے اور مسجد کے ساتھ تعلق جوڑ لیا۔

ضیائے حدیث یقیناً آپ نے زندگی میں پہلی بار یہ روزے رکھے ہوں گے۔ اٹھارہ گھنٹے کا طویل روزہ مشکل نہیں لگتا تھا؟

صلاح الدین چونکہ اس سال روزے جولائی اور اگست کے مہینے میں تھے جبکہ دن بہت لمبے ہوتے ہیں اس لیے ابتدائی چند دن تو بہت مشکل لگے۔ مگر تقریباً ایک ہفتے کے بعد طبیعت عادی ہوگئی اور یقیناً اللہ نے ہمت بھی دے دی۔ بلکہ جب آدھا رمضان گزر گیا تو میں نے عبدالغفور سے کہا کہ رمضان کی ابتداء سے اب تک میں نے بہت کچھ سیکھا اور سمجھا ہے اور میرے اندر تبدیلی بھی آنا شروع ہوگئی ہے۔ اب مجھے یہ فکر لاحق ہورہی ہے کہ چند دنوں کے بعد جب رمضان ختم ہوگیا تو میں بھی دوبارہ پھر شیطان کے جال میں نہ پھنس جاؤں۔ اس نے مجھے آخری عشرے کا اعتکاف کرنے کا مشورہ دیا۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ مجھے اعتکاف کے لیے مسجد میں جگہ بھی مل گئی۔ سچی بات ہے اعتکاف نے میرا ایمان بہت مضبوط کردیا اور میں نے یہ عہد کرلیا کہ اللہ کی توفیق سے میں کبھی گناہوں والی زندگی میں پلٹ کر نہ جاؤں گا۔ تب سے اب تک مسلسل کوشش کر رہا ہوں کہ اللہ کا قرب حاصل کرلوں۔

ضیائے حدیث پتہ چلا ہے کہ آپ اس سال حج بھی کرآئے ہیں۔ یہ کیسے ہوا؟

صلاح الدین جب اللہ تعالیٰ کسی کے لیے بھلائی کا ارادہ کرلیں تو رستے بھی کھول دیتے ہیں۔ حج سے چند روز قبل ایک صاحبِ خیر کی طرف سے مفت حج کی پیشکش آئی جسے رد کرنے کا میرے پاس کوئی جواز نہیں تھا۔ اللہ کی توفیق سے تین ہفتے حرمین میں گزار کر اور فریضہ حج ادا کرکے آیا ہوں تو ایمان کو بہت تقویت ملی ہے۔ اب تو کیفیت یہ ہے گناہ کرنے سے ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے مجھے بار بار گناہوں سے پاک کرنے کا بندوبست کیا ہے اور اگر اب بھی میں باز نہ آؤں تو بہت بدنصیب ہوں گا۔ یہ مت سمجھیے گا کہ میں کوئی فرشتہ بن گیا ہوں لیکن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب گناہ کرتے ہوئے بہت شرم آتی ہے۔

ضیائے حدیث اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ شرم نصیب فرمائے، حج میں اور بالخصوص عرفہ کے دن کون سی دعا سب سے زیادہ مانگی؟

صلاح الدین شادی کی دعا مانگی ہے اور اب بھی مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے لیے بندوبست فرمادے۔ آپ بھی میرے لیے دعا کیجیے گا۔

ضیائے حدیث جی ضرور کیوں نہیں! آپ نے اپنا نام صلاح الدین کیوں منتخب کیا؟

صلاح الدین سلطان صلاح الدین ایوبی کے قابل فخر کارنامے پڑھنے کے بعد یہ نام منتخب کیا تھا۔

ضیائے حدیث ہمارے قارئین کے لیے آپ کا خصوصی پیغام کیا ہے؟

صلاح الدین میرا پیغام یہ ہے کہ دنیا کی محبت گناہوں کی جڑ ہے۔ اس محبت میں پڑ کر انسان اللہ کو راضی کرسکتا ہے نہ گناہوں کی گندگی سے بچ سکتا ہے۔ لہٰذا دنیا سے جتنا پیار کم کیا جائے اتنا ہی انسان کے لیے فائدہ مند ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نماز کسی صورت میں نہیں چھوڑنی چاہیے۔ یہ انسان کو گناہوں سے بچنے میں بہت فائدہ دیتی ہے۔ گناہوں کو نماز نہ پڑھنے کا بہانہ بنانے کی بجائے نماز کو گناہوں سے بچنے کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ اللہ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔



اخبار مشرق ومغرب

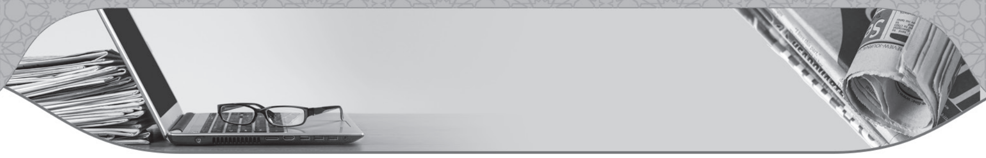
حالاتِ حاضرہ اور مسائل زمانہ...... ایک طائرانہ جائزہ

نوید اسلام صدیقی

یہودیت ،صہیونیت اور مسلمان

آج کے اسرائیل میں عام یہودی باشندوں اور صہیونی نظریات کے حامل تنگ نظر افراد کے درمیان مسلمانوں کے بارے میں اور خاص طور پر عربوں سے تعلقات کے مسئلہ پر سخت نظریاتی اختلافات ہیں۔ معاملہ یہاں تک بڑھ چکا ہے کہ ستمبر 2013ء سے لے کر اب تک پانچ سو اسرائیلی فوجی فلسطینی علاقوں میں جانے سے انکار کرچکے ہیں جبکہ ان میں سے چالیس فوجیوں کو سزا بھی دی گئی ہے۔ انکار کرنے والوں نے واضح کردیا ہے کہ اسرائیلی فوج فلسطینی عوام سے جو زیادتیاں اور توہین آمیز سلوک کررہی ہے وہ اُس کو نامناسب سمجھتے ہیں۔ مذہبی عقائد کے حامل یہودیوں کا کہنا ہے کہ فلسطینیوں کے ساتھ جو ناانصافیاں ہورہی ہیں اور ان پر جو مظالم ڈھائے جارہے ہیں وہ انسانیت کی توہین ہے، کثیر عرب آبادی کے درمیان رہ کر ان کو اپنا مخالف بنالینا درست نہیں۔ ان کا یہ کہنا بھی معقولیت پر مبنی ہے کہ عرب ہمیشہ کمزور اور باہمی اختلافات کا شکار نہیں رہیں گے، اگر وہ متحد اور مضبوط ہوجائیں تو اسرائیل کا کیا حشر ہوگا؟ لیکن صہیونی سیاست کے زیر اثر جن کے پاس فوجی قوت اور حکومت کی طاقت ہے اُن کے مقابلے میں مذہبی عقائد کے حامل یہودیوں کی آواز مؤثر نہیں ہے، اس کے باوجود مذہبی عقائد کے حامل یہودی (اور اب فوجی جوان بھی) اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں یہاں تک کہ فلسطینیوں کی تائید میں جو جلوس نکالے جاتے ہیں ان میں یہودی مذہبی رہنما (ربی) بھی شریک ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ صہیونیت نہ صرف اسرائیل کے لیے بلکہ یہودیوں کے لیے بھی خطرناک ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صہیونی سخت نسل پرست ہیں۔ دنیا کی غیر یہودی آبادی سے انھیں ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں ہے۔ امریکی اور عرب ان کی نظروں میں برابر ہیں۔ بارہ سو سال کی تاریخ میں ہر قوم اور ہر ملک نے یہودیوں کے ساتھ ناانصافیاں روا رکھیں اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔

عام یہودی باشندے اس حقیقت سے پوری طرح آشنا ہیں کہ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں کسی وقت بھی یہودیوں کے ساتھ کوئی بھی ناانصافی نہیں ہوئی اور نہ کبھی یہودیوں کو شکایت کا موقع ملا۔ یہودیوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کبھی بھی کشیدہ نہیں رہے جب بھی کسی ملک میں بالخصوص عیسائی مملکت میں ان کے ساتھ ناانصافیاں حد سے بڑھ جاتیں تو وہ اسلامی ملکوں اور شہروں میں پناہ لیتے۔ صیہونی لابی بھی ان حقائق سے آشنا ہے لیکن اُن کی آنکھوں پر عصبیت کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور اُن کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ دینِ اسلام آخر یہودیوں کو بھی اپنے اندر ایک ایک کرکے ضم کرلے گا۔ وہ عیسائیوں کو بھی آنے والے خطرے سے آگاہ کررہے ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب یورپ پر مسلمان چھا جائیں گے۔



ہندو بنیاد پرستی

ہندو دھرم جو حقیقت میں کوئی دھرم نہیں ہے، کوئی جتنا اس کی گہرائی میں جائے گا اتنا ہی کنفیوز ہوتا چلا جائے گا۔ چند قصے کہانیاں، چند چھوٹے بڑے بت اور گاؤ ماتا۔ اپنے مذہب کا بے بنیاد ہونا جیسے جیسے اُن پر واضح ہوتا جارہا ہے وہ غیر اہم باتوں کو ہی اہم بناتے چلے جارہے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندو بنیاد پرستی اُن کے جسم میں خون بن کر دوڑنے لگی ہے۔ سب سے زیادہ اُن کو نفرت اسلام سے ہے اور مسلمانوں کو تو وہ ہر وقت مارنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ اُن کے خدا بت ہیں اور اسلام بتوں کو مٹانے کے لیے دنیا میں آیا ہے، دوسرا مسئلہ گائے کا ہے دنیا بھر کے عام انسانوں کی طرح مسلمان بھی گائے کا گوشت کھاتے ہیں کیونکہ یہ انڈیا میں سستا ہے۔ لیکن آج کل پورے انڈیا کے ہندوؤں کے دماغ پر گائے سوار ہے۔ گائے کو دیوتاؤں جیسا احترام حاصل ہے اور ہندوستان میں گائے کو ذبح کرنا یا اس کا گوشت کھانا قانوناً ممنوع ہے۔ ہندوؤں کو اگر کوئی جھوٹی سچی خبر مل جائے کہ کسی نے گائے کا گوشت کھایا ہے تو عام ہندو پبلک کے لیے اُس انسان کو مار ڈالنا، اُس کی عزت و آبرو سے کھیلنا جائز ہوجاتا ہے، کسی عدالت کی ضرورت ہے نہ کوئی مقدمہ درج کیا جاتا ہے۔ روزانہ ایسی خبریں سامنے آرہی ہیں، یہاں صرف ایک خبر تحریر کی جارہی ہے۔ ہندوستان کے صوبے ہریانہ کے ایک گاؤں میوات میں انتہا پسند ہندوؤں نے ایک مسلمان خاندان کے گھر پر حملہ کرکے دو خواتین کی آبرو ریزی کی، اور ان کے دو عزیزوں کو جان سے مار ڈالا۔ اس خاندان پر یہ الزام تھا کہ انھوں نے گائے کا گوشت استعمال کیا ہے۔ جبکہ یہ الزام تھا کوئی تحقیق شدہ حقیقت نہ تھی۔

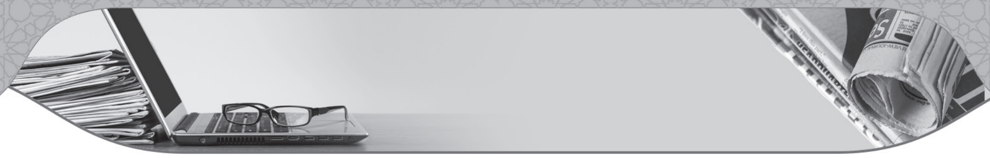
یہ بات تو واضح ہے کہ مذہبی انتہا پسندی دراصل کچھ جاہلوں کا پیدا کردہ ایسا نظریہ ہے جو عصبیتوں، نفرتوں پر استوار ہے۔ برصغیر کے عوام تاریخی طور پر ذہنی پسماندگی کا شکار ہیں اس لیے وہ مذہبی انتہا پسندوں کے بہکاوے میں آجاتے ہیں۔ ہندو مذہب دیوی دیوتاؤں کا مذہب ہے اور گائے کو ہندو مذہب میں ماتا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا عام آدمی بھی نفسیاتی طور پر گاؤ کشی کو مذہب کی خلاف ورزی سمجھ کر مشتعل ہوجاتا ہے۔

بھارت میں انتہا پسند تنظیم آر ایس ایس کے سیاسی ونگ بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت ہے۔ آر ایس ایس بھارت کو ایک خالص بنیاد پرست ہندو ریاست بنانا چاہتی ہے۔ اس ایجنڈے کے تحت بھارت میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے خلاف یہ مہم بھی چلائی گئی کہ وہ یا تو ہندو ہوجائیں یا بھارت سے کہیں اور چلے جائیں۔ خاصے عرصے سے انڈیا میں تحقیقات ہورہی ہیں کہ سپین سے مسلمانوں کا صفایا کس طرح کیا گیا۔ اس عمل کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے عوام کے دلوں میں بنیاد پرستی کا زہر بھرا جارہا ہے اور عوام کے دل میں یہ بٹھایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کی راہ میں کوئی قانون حائل نہیں ہوگا۔

اسلام کا روشن مستقبل

گزشتہ چند سالوں میں اسلام دنیا میں تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن چکا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق 1990ء سے 2000ء کے دوران ایک کروڑ پچیس لاکھ سے زائد افراد اپنا مذہب ترک کرکے اسلام قبول کرچکے ہیں جبکہ 2001ء میں نائن الیون واقعہ کے بعد امریکہ سمیت دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد دگنی ہوچکی ہے اور قرآن پاک دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بن چکی ہے۔

برطانیہ اور فرانس میں گزشتہ دس سالوں کے دوران ایک لاکھ سے زائد افراد اپنا مذہب ترک کرکے اسلام قبول کرچکے ہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں میں زیادہ تر لوگ نسلی امتیاز اور اخلاقی اقدار کے فقدان کی وجہ سے اسلام کی طرف راغب ہورہے ہیں۔ برطانیہ میں تقریباً 57 لاکھ، فرانس میں پچاس لاکھ اور جرمنی میں چالیس لاکھ سے زائد مسلمان مقیم ہیں۔ ان بڑے ممالک کے علاوہ اسپین، اٹلی، ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ، یونان وغیرہ میں بھی مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد ہے جن میں اکثریت پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ فرانس سے آزادی حاصل کرنے والے ممالک مراکش، الجیریا اور تیونس نژاد باشندوں کی بڑی تعداد فرانس میں مقیم ہے جن کی آبادی میں چھ فیصد شرح سے اضافہ ہورہا ہے، ان



میں اکثریت بیس سے پچیس سال کے نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ فرانس میں مسلمان آبادی کی بلند شرح آبادی کی وجہ سے ایک اندازے کے مطابق 2027ء تک فرانس کا ہر پانچواں شخص مسلمان ہوگا۔ اسی طرح برطانیہ میں گزشتہ تیس سالوں میں مسلمانوں کی آبادی میں تیس گنا اضافہ ہوتا رہا تو 2020ء تک اسلام برطانیہ کا دوسرا بڑا مذہب بن جائے گا جس کا واضح ثبوت پاکستانی نژاد مسلمان صادق خان کا لندن کا میئر منتخب ہونا ہے۔ یورپی یونین کے ملک بلجیم کی آبادی کا 25 فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہے جبکہ جرمنی میں گزشتہ ایک سال میں چار ہزار سے زائد افراد اسلام قبول کر چکے ہیں اور جرمن حکومت نے پہلی بار اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کی تعداد میں اسی رفتار سے اضافہ ہوتا رہا تو 2050ء تک جرمنی مسلم اکثریتی ملک بن جائے گا۔

برطانوی جریدے ''اکنامسٹ'' کی رپورٹ کے مطابق یورپی ممالک اور امریکہ میں اپنا مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرنے والوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کئی سال سے مسلمانوں کے ساتھ رابطے میں ہیں اور ان کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی بڑی وجہ مغربی معاشرے میں مسلسل پھیلتی ہوئی بے راہ روی اور فحاشی ہے جس سے وہ تنگ آ چکے ہیں۔

سعودی عرب اور امریکہ

سعودی عرب اور امریکہ کے تعلقات کی ایک طویل تاریخ ہے۔ گزشتہ کئی عشروں سے سعودی عرب امریکہ کا اسٹریٹیجک پارٹنر رہا اور اسے خطے میں امریکہ کا مضبوط ستون تصور کیا جاتا تھا مگر آج سعودی امریکہ قریبی تعلقات زوال کا شکار ہیں اور ایسے آثار دکھائی دے رہے ہیں کہ امریکی اسٹیبلشمنٹ میں موجود کچھ طاقتیں یہ سوچ رہی ہیں کہ وقت آ گیا ہے کہ امریکہ، سعودیہ سے اپنے تعلقات پر نظر ثانی کرے۔ پاکستان کو تو امریکہ کی دوستی میں عروج و زوال کے کافی تجربات ہو چکے ہیں لیکن سعودی عرب کے ساتھ پہلی دفعہ امریکہ نے یہ حرکت کی ہے، اس لیے پوری سعودی قوم حیرانی اور تحیر کے اندر گرفتار ہے۔

کچھ عرصہ قبل امریکہ نے ایران سے محبت کی پینگیں بڑھانی شروع کر دیں جو یمن، شام اور عراق میں سعودی مخالف عناصر کی مدد میں مصروف ہے۔ امریکہ نے سعودی عرب سے اپنے تعلقات کو یکسر فراموش کر کے یہ قدم اس لیے اٹھایا کہ وہ ایک بڑے منصوبے پر خاصے عرصے سے کام کر رہا ہے کہ امت مسلمہ کو آپس میں لڑا لڑا کر تباہ کیا جائے۔

ابھی یہ زخم تازہ تھا کہ امریکی کانگریس نے ''جاسٹا'' نامی سعودیہ مخالف بل کی بھاری اکثریت سے منظوری دی جس کے تحت اب امریکی شہری نائن الیون واقعہ میں ملوث کسی بھی فرد یا ریاست کے خلاف ہرجانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اس بل کو قانونی شکل دیے جانے کے بعد متاثرہ امریکی شہری، سعودی حکومت کے خلاف امریکی عدالتوں میں مقدمہ دائر کر کے سعودی عرب سے اربوں ڈالر ہرجانہ وصول کر سکیں گے۔ یاد رہے کہ نائن الیون حملے میں تقریباً تین ہزار امریکی شہری مارے گئے اور حملے میں ملوث 19 دہشت گردوں میں سے 15 کا تعلق سعودی عرب سے تھا۔ سعودی عرب بارہا یہ واضح کر چکا ہے کہ نائن الیون حملے میں ملوث دہشت گردوں کو کسی بھی طرح کی سعودی مدد حاصل نہیں تھی بلکہ یہ واقعہ دہشت گردوں کا ذاتی فعل تھا۔

اگرچہ سعودی عرب نے امریکہ کو دھمکی دی تھی کہ اگر یہ بل منظور ہوا تو وہ امریکی بینکوں میں موجود اپنے 750 ارب ڈالر کے اثاثے نکلوا لے گا جبکہ سعودی شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد اور سعودی شہری بھی یہ عندیہ دے چکے ہیں کہ وہ بھی امریکہ کے ظالمانہ فیصلے کی وجہ سے اپنے اربوں ڈالر کے اثاثے نکلوا کر کسی دوسرے ملک منتقل کر دیں گے۔ یہ بھی خطرہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ جلد ہی متاثرہ افراد عدالتوں سے امریکہ میں موجود سعودی عرب کے اربوں ڈالر کے اثاثے منجمد کرنے کے لیے حکم امتناعی حاصل کر لیں گے تاکہ سعودی عرب اپنے اثاثے امریکہ سے باہر منتقل نہ کر سکے۔

عالمی تجزیہ نگار اور ماہرین مذکورہ بل کی منظوری کو امریکی و سعودی تعلقات کے لیے بڑا دھچکا اور سعودی عرب کی پیٹھ پر خنجر گھونپنے سے تعبیر کر رہے ہیں۔



مشت سے زائد داڑھی کا حکم......؟

حافظ عمران الٰہی
0321 5872458

سلف صالحین کے آثار، فقہاء ومحدثین اور اہل حدیث علماء کے فتاویٰ کی روشنی میں

فضیلۃ الشیخ دبیان محمد الدبیان نے بھی اس کی سند کو دوبار حسن قرار دیا ہے، چنانچہ وہ جابر بن عبد اللہ کو دوسری روایت کے لیے شاہد قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں: «ويكون ما ثبت عن ابن عباس، وابن عمر، وجابر شاهدًا له؟ذكر ذلك عنهم جابر بن عبدالله بسند حسن، وسيأتي تخريجه»

(www.alukah.net/sharia/0/)

اسی طرح فضیلۃ الشیخ مختار الاخضر طیباوی نے یہ کہہ کر اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے:(أخرجه أبو داود:4/136 رقم:4203) بإسناد حسن،ويشهد لصحته الأحاديث الصحيحة عن ابن عمر و أبي هريرة)

www.kulalsalafiyeen.com/vb/showthread.php?t=29172

اسی طرح یہی اثر اس سند کے ساتھ بھی مروی ہے:«عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: قَالَ جَابِرٌ: لَا نَأْخُذُ مِنْ طُولِهَا إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ»

(مصنف ابن ابی شیبہ 25487)

یہ اثر ابو ہلال راسبی میں ہلکا سا ضعف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن دیگر صحابہ کے آثار اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہیں۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ أَنَّهُ كَانَ يَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ قَالَ فَقَبَضَ يَوْمًا عَلَى لِحْيَتِهِ فَقَالَ: كَأَنَّ خِضَابِي خِضَابُ أَبِي هُرَيْرَةَ وَلِحْيَتِي مِثْلُ لِحْيَتِهِ وَشَعْرِي مِثْلُ شَعْرِهِ وَثِيَابِي مِثْلُ ثِيَابِهِ وعليه ممصران»

تابعی جلیل جناب محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ وہ حنا کے ساتھ خضاب لگاتے تھے، راوی بیان کرتا ہے کہ انھوں ایک دن اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیا اور کہنے لگے: میرا خضاب سیدنا ابو ہریرہ کے خضاب جیسا ہے، میری داڑھی ان کی داڑھی جیسی ہے، میرے بال ان کے بالوں جیسے ہیں اور میرے کپڑے بھی ان کے کپڑوں جیسے ہیں، اور وہ دو لال کپڑے پہنے ہوئے تھے۔(طبقات ابن سعد: 4/249، سنده صحيح)

سیدنا علی بن ابو طالب سے ایک روایت مروی ہے، جسے ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے:سماک بن یزید سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی اپنے چہرے سے ملی ہوئی داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔

اس اثر میں اہم بات یہ ہے کہ سیدنا ابوہریرہ سے مشت سے زائد داڑھی کا ٹنا ثابت ہے، جیسا کہ گزشتہ مضمون میں اس کی وضاحت ہوچکی ہے اور امام ابن سیرین سے بھی داڑھی

کاٹنا ثابت ہے، یعنی اگر ان دونوں میں سے کسی ایک سے داڑھی کاٹنا ثابت ہوجائے تو اس بارے میں یہی کہا جائے گا کہ دونوں سے کاٹنا ثابت ہے،امام ابن سیرین کے بارے مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:«حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أَبِي هِلَالٍ، قَالَ سَأَلْتُ الْحَسَنَ، وَابْنَ سِيرِينَ فَقَالَالَا بَأْسَ بِهِ أَنْ تَأْخُذَ مِنْ طُولِ لِحْيَتِكَ»(مصنف ابن ابی شیبہ: 25489)

«عن سماك بن يزيد قال كان علی رضی اللہ عنہ يأخذ من لحيته مما يلي وجهه» (مصنف ابن ابی شیبہ:الحدیث 25480)

زمعہ بن صالح یمانی کی وجہ سے اس اثر کی سند کمزور ہے،لیکن اس کی سند کی صحت کے لیے ہم ان آثار کو معنوی شاہد بنا لیتے ہیں جن میں تابعین عظام نے مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے عمل کو تمام صحابہ کرام کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور علامہ ابن بطال (متوفی449ھ) نے عمر بن خطاب کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:
«وروی عن عمر رضی اللہ عنہ أنه رأى رجلًا قد ترك لحيته حتى كبرت، فأخذ يجذبها، ثم قال ائتونی بجلمتين، ثم أمر رجلًا فجز ما تحت يده، ثم قال اذهب فأصلح شعرك، أو أفسده، يترك أحدكم نفسه حتى كأنه سبع من السباع»

سیدنا عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کی داڑھی نہ کاٹنے کی وجہ سے بڑی ہوگئی تھی، تو آپ اس کو کھینچ کر لمبا کرنے لگے، چنانچہ انھوں نے قینچی لانے کا کہا، پھر ایک آدمی کو حکم دیا کہ جو مشت سے زائد ہے اسے کاٹ دو، اور اس آدمی سے کہا کہ جاؤ اب اپنے بالوں کو درست کرو یا ان کو بگاڑو، پھر کہنے لگے تم میں سے کوئی (داڑھی اور سر کے) بالوں کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے گویا کہ وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہے۔(شرح ابن بطال:146/9)

حافظ ابن حجر نے امام طبری کے بارے میں جو الفاظ نقل کیے ہیں ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس اثر کی سند بھی موجود ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:«ثُمَّ سَاقَ بِسَنَدِهِ إِلَى عُمَرَ أَنَّهُ فَعَلَ ذَلِكَ بِرَجُلٍ»(فتح الباری350/10)

پھر امام ابن جریر طبری نے عمر بن خطاب تک اپنی سند بیان کی ہے کہ انھوں نے کسی آدمی کی مشت سے زائد داڑھی کاٹ دی تھی۔

اور حافظ ابن حجر بالعموم جس حدیث کی سند پر سکوت اختیار کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے، لہٰذا یہ اثر ان کے نزدیک کم از کم حسن درجے کا تو ہوگا، بفرض محال اگر یہ اثر بھی کمزور ہے تو اس کی سند کی صحت کے لیے ہم ان آثار کو معنوی شاہد بنا لیتے ہیں جن میں تابعین عظام نے مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے عمل کو تمام صحابہ کرام کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں بھی یہی الفاظ ذکر کیے ہیں(عمدة القاری 22/46)، (47)وہ آثار درج ذیل ہیں:

«عَنْ منصورقَالَ سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ كَانُوا يُحِبُّونَ أَنْ يُعْفُوا اللِّحْيَةَ إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ»(مصنف ابن ابی شیبة، الرقم: 25482، سنده صحيح)

تابعی جلیل جناب عطا بن ابی رباح (وفات 114ھ) بیان کرتے ہیں کہ وہ (ہمارے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام) حج و عمرے کے موقع پر اپنی مشت سے زائد داڑھیاں کاٹنا پسند کیا کرتے تھے۔

یہ وہی عطا بن ابو رباح ہیں کہ جنھوں نے دو سو صحابہ کرام کو پایا ہے اور ان سے روایات بیان کی ہیں، ان کے اساتذہ میں وہ بڑے بڑے اجل محدث اور سب سے بڑھ کر متبع سنت صحابہ کرام (ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، عبد اللہ بن جابر، سیدہ عائشہ، ابن زبیر، عبداللہ بن عمرو، عثمان بن عفان، عروہ بن زبیر، معاویہ بن ابوسفیان، ابودردا، ابوسعید خدری، ام سلمہ، ام ہانی وغیرہم رضی اللہ عنہم) جن کی علمی اور فقہی قدر و منزلت مسلم ہے اور وہ مشہور فقہی مدارس کے شیوخ الحدیث تھے۔ ان کی بیان کردہ روایت میں ان کا اشارہ ان تمام مرد صحابہ کرام کی جانب ہے۔

محدث کبیر امام ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں:«عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ كَانُوا يُرَخِّصُونَ فِيمَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ مِنَ اللِّحْيَةِ أَنْ يُؤْخَذَ مِنْهَا»
جناب حسن بصری سے مروی ہے کہ وہ (صحابہ و تابعین) مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کی رخصت دیتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبة، الرقم: 25484، اشعث کے سبب اس کی سند حسن ہے)

جناب حسن بصری کو سادات التابعین کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ انھوں صحابہ کی ایک

جماعت سے علمی فیض حاصل کر کے اس کو آگے پہنچایا، ان کے اساتذہ میں کمی بیشی کے ساتھ مندرجہ ذیل صحابہ کرام و تابعین کا ذکر ملتا ہے:

عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، ابوموسیٰ اشعری، معاویہ بن ابی سفیان، انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ انصاری، معقل بن یسار المزنی، مغیرہ بن شعبہ، ابو برزۃ اسلمی، نعمان بن بشیر، زبیر بن العوام، عقبہ بن عامر الجہنی، عقیل بن ابی طالب، عمرو بن عاص، عمران بن حصین، سعد بن عبادہ، احنف بن قیس، اسامہ بن زید الکلبی، سمرۃ بن جندب، عبد اللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہم۔

محدث کبیر امام ابن ابی شیبہ تابعی جلیل جناب ابراہیم بن یزید نخعی سے بیان کرتے ہیں:

«كانوا يأخذون من جوانبها، وينظفونها يعني اللحية» وہ (ہمارے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام) داڑھی کے اطراف سے (مشت سے زائد) بال لیتے تھے اور اسے صاف ستھرا رکھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبة: / 8، 4 6 5الرقم: 25490، سنده صحیح)

جناب ابراہم نخعی تو ان تابعین میں سے ہیں محدثین نے جن کی مرسل روایات کو بھی قبول کیا ہے، انھوں نے صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور ان سے اس فعل کو بیان کیا۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان جلیل القدر اسلاف نے دیدہ دانستہ حدیث کے خلاف کیا نعوذ باللہ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کو رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں پہنچی تھی۔ کیونکہ وہ تو خود ہی روایت کرتے ہیں۔

''کانوا'' سے کون مراد ہے؟

بہت سارے علمائے کرام کی طرف سے مندرجہ بالا آثار صحابہ پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے صحابہ کرام مراد نہیں ہیں، بلکہ تابعین مراد ہیں، حالانکہ ان کی یہ بات بے سروپا ہے، کیونکہ ''کانوا'' ماضی کا صیغہ ہے، یہاں بیان کرنے والے کبار تابعین ہیں، اور کبار تابعین سے پہلے صحابہ کرام ہی موجود تھے، جناب حسن بصری یا عطاء سے پہلے کون سے تابعین تھے جو ماضی میں گزر گئے (فوت ہوگئے) تھے جن کی طرف انھوں نے ''کانوا'' کا لفظ بول کر اشارہ کیا؟ اصول فقہ کی متعدد کتب میں یہ بات موجود ہے کہ اس سے صحابہ کرام ہی مراد ہیں، جیسا کہ قاضی ابویعلی ابن الفراء (المتوفی: 458ھ) نے لکھا ہے: «لأن الصحابي والتابعي إذا قال كانوا يفعلون كذا، فإنما يقول ذلك على وجه الدلالة على صحة ما فعلوا، فإذا كان كذلك، وكانت الجماعة التي فعلها وقولها حجة.فإن قيل يجوز أن يكون المراد به فعل بعض الصحابة؛ لأن فعل بعضهم يكون حجة.قيل الواحد لا يقع عليه اسم الجماعة»

کیونکہ جب صحابی یا تابعی یہ کہے: ''وہ یہ کام کرتے تھے۔'' وہ تو اس کو ان کے فعل کے درست ہونے کی دلیل سمجھ کر بیان کرتا ہے، اگر ایسا ہی ہے، پھر تو وہ ایسی جماعت تھے کہ ان کا قول و فعل بطور جماعت حجت ہے، اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس سے مراد بعض صحابہ کا فعل ہے، کیونکہ بعض صحابہ کا عمل حجت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ایک آدمی پر جماعت کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ (العدة فی أصول الفقه3/998)

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رقم طراز ہیں: «إذا قال الصحابي أو التابعي كانوا يفعلون كذاحمل ذلك على فعل الجماعة التي هي الأمة دون الواحد منهم» جب صحابی یا تابعی یہ کہے: ''وہ اس اس طرح کرتے تھے۔'' اسے پوری جماعت پر محمول کیا جائے گا نہ کہ ان میں سے کسی ایک پر محمول کیا جائے گا۔ (المسودة فی أصول الفقه: 296)

اس بارے میں ابو الوفا ابن عقیل الظفری (المتوفی 513ھ) نے لکھا ہے: «إِذا قالَ الصَّحابيُّ أوِ التابعيُّ كانوا يفعلونَ كذا، حُمِلَ على الجماعةِ دونَ واحدٍ منهم» جب صحابی یا تابعی یہ کہے: ''وہ اس اس طرح کرتے تھے'' اسے پوری جماعت پر محمول کیا جائے گا نہ کہ ان میں سے کسی ایک صحابی پر۔ (الوَاضِح فی أصُولِ الفِقه:65/5)

اس طرح جناب ظفر احمد تھانوی لکھتے ہیں: «إذا قال التابعي، كانوا يفعلون كذا وكانوا يقولون كذا ولا يرون بذلك بأسافالظاهر إضافته إلى الصحابةإلا أن يقوم دليل على غير ذلك» (قواعد فی علوم الحدیث128) ''وہ اس طرح کرتے تھے یا اس طرح کہتے

تھے یا وہ اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، تو یقیناً اس کی اضافت صحابہ کی طرف ہے الا کہ اس کے خلاف کوئی دلیل آجائے۔''

جناب بدیع الدین شاہ راشدی نے تھانوی صاحب کے بیان کردہ اصول پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ انھوں نے اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے قرآنی اور غیر قرآنی تعویذ کی کراہت پر استدلال کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:(نقض قواعد فی علوم الحدیث،ص:141)

تابعین کے کلام میں ''کانوا'' سے کون ہوتا ہے،ان آثار پر غور کرنے سے بات بالکل واضح ہوجاتی ہے:

«عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، قَالَ كَانُوا لَا يَرَوْنَ بِالصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ بَأْسًا، يَعْنِي بَعْدَ الْغُسْلِ»

«عن عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ الْأَوْدِيِّ، يَقُولُ كَانُوا لَا يَتْرُكُونَ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ عَلَى حَالٍ»

«حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ كَانُوا يَكْرَهُونَ اخْتِصَارَ السُّجُودِ»

«عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: كَانُوا يَكْرَهُونَ اخْتِصَارَ السُّجُودِ، وَكَانُوا يَكْرَهُونَ إِذَا أَتَوْا عَلَى السَّجْدَةِ أَنْ يُجَاوِزُوهَا حَتَّى يَسْجُدُوا»(مصنف ابن ابی شیبہ)

ان تمام آثار میں بھی لفظ ''کانوا'' کی نسبت اصحاب رسول ﷺ کی طرف ہے،اس لیے مندرجہ بالا اصول کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مندرجہ بالا آثار میں موجود لفظ ''کانوا'' سے مراد صحابہ کرام ہیں،اسی طرح وہ آثار صحابہ جن کی سند کمزور ہے، اس اصول کی وجہ سے درست قرار پاتے ہیں، کیونکہ تابعین نے ان آثار میں تمام صحابہ سے مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کو نقل کیا ہے۔

مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے بارے صحیح مرسل حدیث

امام ابوداود نے جلیل القدر تابعی جناب مجاہد بن جبر سے بسند صحیح ایک مرسل حدیث اس طرح بیان کی ہے: «حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ، سَمِعَ مُجَاهِدًا، يَقُولُ رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا طَوِيلَ اللِّحْيَةِ فَقَالَ لِمَ يُشَوِّهُ أَحَدُكُمْ نَفْسَهُ؟» ''عثمان بن اسود سے مروی ہے کہ اس نے مجاہد بن جبر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک لمبی داڑھی والے آدمی کو دیکھ کر اسے کہا: تم جان بوجھ کر اپنا چہرہ کیوں بگاڑتے ہو؟''(المراسیل، ص:316)

اس حدیث کی سند صحیح ہے کیونکہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، اس کے علاوہ مجاہد سے بسند صحیح داڑھی کٹوانا ثابت ہے اور جہاں تک مروان بن معاویہ کی تدلیس کا تعلق ہے تو وہ صرف تدلیس شیوخ میں مشہور ہے، جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں اس کا ذکر کیا ہے۔(تہذیب التہذیب: 10/98)

علامہ البانی نے بھی ابن حجر کی یہی بات نقل کی ہے:«فإن مروان بن معاوية وإن احتج به الشيخان؛ فإنه كان يدلس أسماء الشيوخ، كما في «التقريب» وبيانه في «التهذيب»»(الضعيفة: 12/800)

دوسری جگہ علامہ البانی اسی بات کو یوں ذکر کرتے ہیں:«مروان بن معاوية، وليس فيه علة سوى أنه كان يدلس أسماء الشيوخ» یعنی مروان بن معاویہ میں سوائے تدلیس شیوخ کے کوئی دوسری علت نہیں ہے۔ (الضعیفۃ: 236/3)

تدلیس شیوخ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے شیخ، جس سے وہ حدیث روایت کر رہا ہے، کا نام، کنیت، نسب وغیرہ غیر معروف طریقے سے بیان کرے تاکہ وہ پہچانا نہ جائے۔

مرسل حدیث حجت ہے؟

مرسل حدیث مطلق طور پر حجت نہیں ہے، لیکن کچھ شرائط کے ساتھ مرسل حدیث قابل حجت ہے، یہ امام شافعی کا نظریہ ہے اور دیگر تین بڑے ائمہ ابوحنیفہ، مالک اور احمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مرسل روایت کو مطلق طور پر قبول کیا جائے گا۔علمائے کرام کا یہ گروہ مرسل حدیث کو اس بنیاد پر قبول کرتا ہے کہ مرسل حدیث صرف ثقہ راوی سے ہی روایت کی گئی ہو، ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک ثقہ تابعی صرف اسی صورت کسی بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہے جب اس نے یہ حدیث کسی قابل اعتماد شخص سے سنی ہو اس لیے کہ مرسِل اپنے پیش نظر «من كذب عليّ متعمداً فليتبوا مقعده

من النار» رکھ کر حدیث مرسل روایت کرکے اپنے اوپر ذمہ داری لے رہا ہے اب یہ عادل مرسِل کیسے غیر ثقہ سے روایت کرکے وعید کا مصداق بننا پسند کرے گا؟

مرسل حدیث چند شرطوں کے ساتھ قابل حجت ہے یہ جمہور کا نقطہ نظر ہے، وہ شرائط چار ہیں، تین کا تعلق ارسال کرنے۔ (الرسالہ للشافعي،ص:461)

جناب مجاہد بن جبر کی بیان کردہ حدیث میں مندرجہ بالا تمام شرائط موجود ہیں، اس کے ساتھ ساتھ متعدد علمائے کرام نے مجاہد بن جبر کی بیان کردہ مرسل حدیث کو قابل حجت قرار دیا ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ مجاہد بن جبر کی مرسل روایات کو قابل حجت سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس بارے میں رقم طراز ہیں: «و مراسيل مجاهد حسنة لا سيما وقد روى مسندا من وجوه صحيحة» یعنی مجاہد بن جبر کی مرسل احادیث اچھی ہوتی ہیں اور یہ لازم ہے کہ ان کی مرسل احادیث صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں۔(شرح العمدة:4/153)

«قال أبو نعيم قال يحيى القطان مرسلات مجاهد أحب إلي من مرسلات عطاء بكثير» ابونعیم بیان کرتے ہیں کہ جناب یحی القطان فرماتے ہیں: ''مجاہد کی مرسل احادیث مجھے عطا بن ابی رباح کی مرسل احادیث سے کہیں زیادہ پسند ہیں۔'' (تهذيب الكمال:6481)

«وقال أبو عبيد الآجري قلت لأبي داود مراسيل عطاء أحب إليك أو مراسيل مجاهد ؟ قال: مراسيل مجاهد، عطاء كان يحمل عن كل ضرب»

ابو عبید آجری نے بیان کیا ہے کہ میں نے امام ابوداود سے پوچھا کہ آپ کو عطا اور مجاہد کی مرسل احادیث میں سے کس کی مرسل احادیث زیادہ پسندیدہ ہیں،تو امام ابوداود نے جواب دیا: مجھے مجاہد کی مرسل احادیث زیادہ پسند ہیں کیونکہ عطا بن ابو رباح ثقہ اور ضعیف تمام قسم کے راویوں سے روایات لے لیتا تھا(جب کہ مجاہد صرف ثقہ سے روایت لیتا تھا)(تهذيب الكمال:6481)

یہی بات یحی بن سعید القطان سے بھی مروی ہے،امام ترمذی بیان کرتے ہیں:

«عن علي بن عبد الله، قال يحيى بن سعيد مرسلات مجاهد أحب إلي من مرسلات عطاء بن أبي رباح بكثير كان عطاء يأخذ عن كل ضرب» ''مجھے مجاہد کی مرسل احادیث زیادہ پسند ہیں کیوں کہ عطا بن ابو رباح ثقہ اور ضعیف تمام قسم کے راویوں سے روایات لے لیتا تھا۔'' (جبکہ مجاہد صرف ثقہ سے روایت لیتا تھا)

«قلت ليحيى مرسلات مجاهد أحب إليك أم مرسلات طاؤس؟قال:ما أقربهما»

امام ذہبی مجاہد بن جبر کی مرسل احادیث کو حجت مانتے ہوئے رقم طراز ہیں: «نعم، وإن صح الإسناد إلى تابعي متوسط الطبقة كمراسيل مجاهد وإبراهيم والشعبي فهو مرسل جيد لا بأس به» ''ہاں اگر درمیانے طبقے کے تابعی تک سند صحیح ہو، جیسے کہ مجاہد، ابراہیم اور شعبی کی مرسل احادیث ہیں تو ایسی مرسل احادیث جید ہیں، ان (کو قبول کرنے) میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' (الموقظة،ص:40)

«وأمّا الحافظ السخاوي رحمه الله فقد قسّم المرسل في كتابه فتح المغيث إلى ست مراتب، قال:خاتمة المرسل مراتب لأعلاها ما أرسله صحابي ثبت سماعه ثم صحابي له رواية فقطت، ولم يثبت سماعه، ثم المخضرم ثم المتقن كسعيد بن المسيب ويليها،من كان يتحرى في شيوخه كالشعبي ومجاهد»

جناب حافظ سخاوی نے اپنی کتاب فتح المغیث میں جناب مجاہد بن جبر کی بیان کردہ مرسل احادیث کو معتبر قرار دیا ہے۔(1/194)

اس کے ساتھ ساتھ حافظ ابن حجر نے بھی قتادہ اور مجاہد بن جبر کی مرسل حدیث کو قوی قرار دیا ہے،اس بات کی وضاحت ابن حجر نے فتح الباری میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بات کرتے ہوئے کی ہے(استغفر لهم أو لا تستغفر لهم......)(الفتح(8/335)

علامہ البانی مجاہد بن جبر کی بیان کردہ مرسل حدیث کو حجت مانتے ہوئے لکھتے ہیں:«فمن المسلَّم عند العلماء أن مراسيل مجاهد خير من مراسيل غيره من التابعين كعطاء وغيره»

یہ بات علماء کے ہاں مسلم ہے کہ مجاہد کی مرسل احادیث دیگر تابعین عطا وغیرہ کی مرسل احادیث سے بہتر ہیں۔(الضعيفة: 7/1216)

صحابہ کا یہ عمل حج وعمرہ کے ساتھ خاص تھا؟

سیدنا عبد اللہ بن عمر کا یہ عمل حج وعمرہ کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ سارا سال جاری رہتا تھا، جیسا کہ امام مالک نے اس کی وضاحت کی ہے: «أن عبد الله بن عمر كان إذا أفطر من رمضان وهو يريد الحج لم يأخذ من رأسه ولا من لحيته شيأ حتى يحج» (موطأ امام مالك، رقم الحديث:1396)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب رمضان المبارک سے فارغ ہوتے اور حج کا ارادہ بھی ہوتا تو اپنی داڑھی اور سر کے بال نہ کاٹتے تھے یہاں تک کہ حج مبارک سے فارغ ہوتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شوال اور ذی قعدہ اور عشرہ ذی الحج تک نہیں کتراتے تھے، باقی مہینوں میں قبضے سے اگر زائد ہوجاتی تھی تو کتراتے تھے۔

حافظ ابن عبدالبر عبداللہ بن عمر کے اس عمل کے متعلق لکھتے ہیں: «وفي أخذ بن عُمَرَ مِنْ آخِرِ لِحْيَتِهِ فِي الْحَجِّ دَلِيلٌ عَلَى جَوَازِ الْأَخْذِ مِنَ اللِّحْيَةِ فِي غَيْرِ الْحَجِّ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ غَيْرُ جَائِزٍ مَا جَازَ فِي الْحَجِّ لِأَنَّهُمْ أُمِرُوا أَنْ يَحْلِقُوا أَوْ يُقَصِّرُوا إِذَا حَلُّوا مَحَلَّ حَجِّهِمْ مَا نهوا عنه في حجهم، وابن عُمَرَ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أعفوا اللحا وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَعْنَى مَا رَوَى فَكَانَ الْمَعْنَى عِنْدَهُ وَعِنْدَ جُمْهُورِ الْعُلَمَاءِ الْأَخْذُ مِنَ اللِّحْيَةِ مَا تَطَايَرَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ» (ابن عبد البر، الاستذكار: 4/317)

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایام حج میں اپنی داڑھی کے آگے سے بال لینا اس بات پر دلیل ہے کہ غیر ایام حج میں بھی یہ فعل جائز ہے، کیونکہ اگر یہ فعل تمام اوقات میں ناجائز ہوتا تو حج میں بھی جائز نہ ہوتا، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو یہ حکم تھا کہ جب وہ حج سے فارغ ہوں تو وہ اپنے بال منڈوادیں یا کتروادیں جس سے ان کو احرام کی حالت میں روکا گیا تھا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے: «اعفوا اللحی» ''داڑھیوں کو بڑھاؤ'' اور خود مٹھی سے بال زیادہ لیتے تھے۔ اس حدیث کا مطلب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خوب جانتے ہیں، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے کہ وہ بال لیے جائیں جو زائد اور پراگندہ ہوں اور بُرے معلوم ہوں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے ان لوگوں (امام کرمانی وغیرہ) کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ابن عمر کا یہ عمل حج کے ساتھ خاص تھا: «أَن بن عُمَرَ كَانَ لَا يَخُصُّ هَذَا التَّخْصِيصَ بِالنُّسُكِ» (فتح الباری 10/350)

یعنی ابن عمر اس عمل (داڑھی کٹانے) کو صرف حج وعمرہ کے ساتھ خاص نہیں کرتے تھے۔

نواب صدیق حسن خان مرحوم اپنی کتاب اتحاف النبلاء میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: «واز فوائد ابن قیم رحمہ اللہ است که گفته ابن عمر روی حدیث اعفاء اللحية وكان مع ذلك يمسك لحية فما فضل عن القبضة أخذه انها ما ذكر رسول الله ﷺ اعفاء اللحية كلمه أصحابه فقال يمسك قبضة فما جاوز ذلك جزه ان شاء فلعل ابن عمر بلغه هذا من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فذهب اليه وإلا فالا عفاء يابى ذلك ولكن لما رواه ابن عمر وأخذ ما جاوز القبضة مع شدة تحريه وورعه واتباعه للسنة دل على أن عنده من ذلك عما بالرخصة» (اتحاف: 10/373)

فوائد ابن قیم رحمہ اللہ سے ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعفاء اللحیۃ کی حدیث روایت کی ہے:

اس کے باوجود وہ مشت سے زائد بال کاٹ دیتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اعفاء اللحیۃ اور (وغیرہ) کا امر فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں گفتگو کی (کہ زیادہ بھاری لمبی داڑھی میں تکلیف ہوتی ہے) تو آپ نے فرمایا: داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر جو زائد بال ہوں ان کے کٹانے کا اختیار ہے، شاید ابن عمر رضی اللہ عنہ کو (اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو) یہ حدیث پہنچی ہوگی اسی بنا پر وہ مٹھی سے زائد کٹاتے تھے ورنہ اعفاء اللحیۃ (وغیرہ) کی حدیث اس (کٹانے) سے روکتی ہے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس کے خلاف کس طرح کر سکتے تھے حالانکہ وہ بڑے محتاط بڑے پرہیزگار اور متبع سنت تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مٹھی سے زائد کٹانے کی حدیث کا علم تھا۔

مشت سے زائد داڑھی کٹانے کے جواز پر اجماع

میرا تو یہ دعوی ہے کہ یک مشت سے زائد

داڑھی کٹانے کے جواز پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، اجماع کی شروط میں سے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے ہر ایک صحابی کی رائے ہم تک نقل ہوکر آتی، باوجود اس کے کہ وہ مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے، ہمارے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ بڑے بڑے اجل محدث اور سب سے بڑھ کر متبع سنت صحابہ کرام (ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، عبداللہ بن جابر) اور تابعین عظام جن کی علمی اور فقہی قدر و منزلت مسلم ہے اور وہ مشہور فقہی مدارس کے شیوخ الحدیث تھے، وہ یک مشت داڑھی سے زائد داڑھی کے کٹانے کو جائز سمجھتے تھے، حالانکہ ان چاروں نے رسول اللہ ﷺ سے داڑھی کی حدیث بیان کی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یک مشت سے زائد داڑھی کے کٹانے کے جواز میں کوئی صحابی ان کا مخالف بھی نہ تھا، اس لیے ہم اس کو اجماع سکوتی کہہ سکتے ہیں، دور حاضر کے مشہور و معروف مفسر جناب امین شنقیطی نے لکھا ہے: «فان انتشر فی الصحابة ولم یظهر له مخالف فهو الإجماع السکوتی وهو حجة عند الأکثر» اگر کسی صحابی کا کوئی عمل دیگر صحابہ کرام میں پھیل جائے اور کوئی صحابی اس کی مخالفت بھی نہ کرے تو اسی کو اجماع سکوتی کہتے ہیں جو اکثر علمائے کرام کے نزدیک حجت ہے۔

(مذکرہ فی اصول الفقه، امین شنقیطی، ص: 198)

امام ابن تیمیہ اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں: «إِذَا لَمْ يُخَالِفْهُ غَيْرُهُ مِنْ الصَّحَابَةِ وَلَا عُرِفَ نَصٌّ يُخَالِفُهُ ثُمَّ إِذَا اشْتَهَرَ وَلَمْ يُنْكِرُوهُ كَانَ إقْرَارًا عَلَى الْقَوْلِ فَقَدْ يُقَالُ: هَذَا إجْمَاعٌ إقراری» ’’جب کوئی دوسرا صحابی اس قول کا مخالف نہ ہو، یہ بھی معروف نہ ہو کہ اس قول سے کسی نص کی مخالفت لازم آتی ہے، پھر جب یہ قول شہرت پکڑ جائے، اور دیگر صحابہ اس قول کا انکار بھی نہ کریں، یہ تو اس قول کو قائم و ثابت رکھنا ہے، لہٰذا کہنا پڑے گا کہ یہ اجماع اقراری ہے۔‘‘ (مجموع الفتاوی:1/283)

صحابہ کرام کے یک مشت سے زاید داڑھی کٹانے سے کس نص کی مخالفت لازم نہیں آتی، نص یہ ہے کہ داڑھی بڑھاؤ، صحابہ کرام نے داڑھی کو بڑھایا ہے، صحابہ نے داڑھی کی حدیث کے عموم کو خاص کیا ہے، کیونکہ وہ بہتر جانتے تھے کہ کسی نص پر کہاں تک عمل کرنا ہے۔

حافظ زبیر علی زئی اور علامہ البانی

اسی طرح حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس مسئلہ میں صحابہ کے اجماع کی طرف اشارہ کیا ہے، یوٹیوب پر زبیر صاحب کی ویڈیو موجود ہے جس میں وہ داڑھی کاٹنے کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ یک مشت سے زائد داڑھی کے کاٹنے کے جواز پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اور اس بارے میں البانی صاحب کا موقف کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کیا صحابہ کرام کا یہ عمل ڈھکا چھپا تھا، کیا دیگر اصحاب رسول مذکورہ صحابہ کے اس عمل سے نا آشنا تھے؟ مزید یہ کہ یہاں تو صرف ایک صحابی کے عمل کی مشہوری کی بات ہو رہی ہے، دوسری طرف متعدد صحابہ کرام ہیں جنھوں نے اسلام ہم تک پہنچایا ہے، پھر آگے ان کے تلامذہ نے بھی اس عمل (تکثیر اللحیہ) میں ان کی پیروی کی ہے، کتب حدیث اور کتب فقہ و سیرت اس بات کی دلیل ہیں کہ ان صحابہ کرام کے شاگردوں نے بھی یہ عمل جاری رکھا، یعنی یہ بھی یک مشت سے زائد داڑھی کٹانے کے قائل و فاعل تھے، اور ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ میں سے کسی نے بھی ان پر اعتراض نہیں کیا کہ تم سنت کی خلاف ورزی کر رہے ہو، یا ان سے یہ نہیں کہا کہ تم دین میں اضافہ کر رہے ہو۔ کیا صحابہ کرام دوران حج وعمرہ مجوس اور مشرکین کی مشابہت اختیار کرتے تھے، کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کوئی عبداللہ بن عمر جیسا متبع سنت صحابی اور دیگر اصحاب رسول مشت سے زائد داڑھی کٹوا کر مجوس اور مشرکین کی مشابہت اختیار کرکے حج وعمرہ کے دوران اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔

داڑھی کے معاملے میں صحابی کا عمل حجت ہے؟

میرے خیال میں یہی وہ اہم بات ہے جس کو سمجھنا انتہائی اہم ہے، صحیح بات تو یہی ہے کہ شریعت میں کسی صحابی کا کوئی عمل حجت نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کوئی قول شریعت سازی کر سکتا ہے۔ لیکن یہاں بات یہ نہیں ہے کہ صحابی کا قول وفعل حجت ہے یا نہیں ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث کا فہم اور معنی معتبر ہے، وہ فہم جو چودہویں پندرھویں صدی کا ایک عالم پیش کر رہا ہے یا وہ فہم جو صحابہ کرام، تابعین

عظام، تبع تابعین اور محدثین سے ثابت ہے؟

ہم تو وہی فہم معتبر سمجھتے ہیں جو صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور محدثین سے ثابت اور قابل اعتماد علمائے امت سے ثابت ہے، ہمارے علم کے مطابق کسی صحابی، تابعی یا تبع تابعی نے بسند صحیح ایک مٹھی سے زائد داڑھی کٹوانے کو حرام یا ناجائز قرار نہیں دیا۔

حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ سلف کا خلاف جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ لغت اور اصطلاحات سے غافل نہ تھے۔ (فتاوی اہل حدیث: 1/111)

عدم جواز کے دلائل کی حقیقت

راوی کی روایت کو لیا جائے گا اور اس کی رائے کو ترک کردیا جائے گا: «العبرة برواية الراوى لا برأيه» بعض علماء فقہ کے اس اصول کو یک مشت سے زائد داڑھی کے کاٹنے پر لاگو کرتے ہیں، حالانکہ یہ اصول اس جگہ نافذ نہیں ہوتا، کیوں؟ یہاں راوی کی رائے نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام نے شریعت کی مراد کو ہم تک اپنے فہم وعمل کے ذریعے پہنچایا ہے اور یہ ایک صحابی کا فہم وعمل نہیں ہے بلکہ ان چاروں صحابہ کرام کا فہم وعمل ہے جو داڑھی کی حدیث کے رواۃ ہیں، کیا ان تمام صحابہ نے اس روایت کو بیان کرکے اس کی مخالفت کی ہے، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام ایک عمل کو رسول اکرم سے بیان کریں کہ یہ مجوس اور مشرکین کا عمل ہے اور پھر خود ہی حج وعمرہ کے مقدس موقع پر مجوس و مشرکین کے اس عمل کو انجام دیں اور مستزاد یہ کہ وہ سنت پر تمام صحابہ سے بڑھ کر عمل کرنے والے ہوں، ان پر کوئی نکیر بھی نہ کرے، جب کہ کبار صحابہ کرام بھی وہاں موجود ہوں، ہمارے علم کے مطابق کسی ایک صحابی یا تابعی سے اس کام کی نکیر یا حرمت ثابت نہیں ہے۔ جبکہ اس کے برعکس متعدد صحابہ اور تابعین کی رائے موجود ہے۔

اسی طرح ایک روایت کو مطلق داڑھی چھوڑنے کی دلیل بنایا جاتا ہے، جسے شرجیل بن مسلم بیان کرتے ہیں: «رأيت خمسة من أصحاب رسول الله ﷺ يقمون شواربهم، ويعفون لحاهم ويصفرونها: أبو أمامة الباهلى، وعبد الله بن بسر المازنى، وعتبة بن عبد السلمى، والحجاج بن عامر الثمالى، والمقدام بن معدى كرب؛ كانوا يقمون مع طرف الشفة» (الطبرانی: 1/329/2) میں نے پانچ صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ مونچھوں کو کاٹتے تھے اور داڑھیوں کو بڑھاتے تھے اور ان کو رنگتے تھے، سیدنا ابوامامہ الباہلی، سیدنا حجاج بن عامر الثمالی، سیدنا مدنام بن معدی کرب، سیدنا عبداللہ بن بسر المازنی، سیدنا عتبہ بن عبد السلمی، وہ سب ہونٹ کے کنارے سے مونچھیں کاٹتے تھے۔

اس اثر میں محل استدلال لفظ یعفون ہے، جس کے معنی داڑھی بڑھانے کے ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ یک مشت داڑھی بھی اعفا میں شامل ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے سیدنا عبداللہ بن عمر کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ ان کے نزدیک ایک مشت داڑھی ہی اعفا ہے، اس بارے میں سب سے بڑی دلیل ہی یہ ہے کہ کسی صحابی سے یک مشت سے زائد داڑھی کٹانے پر کوئی نکیر، حرمت یا ممانعت ثابت نہیں ہے۔ اگر کسی صحابی کی داڑھی مشت سے زائد ثابت بھی ہوجائے تو اس کو استحباب پر محمول کیا جائے گا، یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مشت سے زاید داڑھی کٹانا حرام ہے۔

بعض اعتراضات کا جواب

بعض علمائے کرام نے سیدنا عمر بن خطاب (طلاق بتہ کے ایک طلاق ہونے پر ان کا فتوی بھی موجود ہے) کے تین طلاقوں کے نفاذ کے معاملے کو دلیل بنا کر یہ کہا کہ اگر ہم داڑھی کے مسئلہ میں صحابہ کرام کی رائے کو تسلیم کر رہے ہیں تو ہمیں سیدنا عمر بن خطاب تین طلاقوں کے نفاذ کو بھی تسلیم کر لینا چاہیے، ہم یہ کہتے ہیں داڑھی کے کاٹنے کے مسئلے کو تین طلاقوں کے نفاذ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ ایک جزوقتی تعزیری معاملہ تھا، اس تعزیر کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس عمل سے باز آجائیں۔ تین طلاقوں کو نافذ کرتے وقت خلیفہ راشد اور دیگر اصحاب کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی اور عملی طور پر اس کا وقوع رسول اللہ کے دور میں ابن رکانہ کی طلاق کی صورت میں ہوگیا تھا۔

(جاری ہے)



توہّم پرستی

معاشرے میں رائج صورتیں، اسباب اور نقصانات

حافظ شبیر صدیق

انسان اپنے آپ کو بڑا بہادر اور قوی تصور کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے ہی سائے سے ڈر جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ انسانوں نے خود ہی کچھ ایسی چیزیں مقرر کر رکھی ہیں جن کے ہونے یا نہ ہونے پر خوف میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ دنیا بھر میں ایسے بہت سے خیالات پائے جاتے ہیں جن کے ساتھ لوگوں نے اپنے فائدے اور نقصان کو جوڑ رکھا ہے۔ درحقیقت یہ وہ توہمات ہیں جن کی کوئی اساس نہیں ہے۔ برصغیر میں بکثرت ایسے اوہام پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں جنھیں دنیاوی اعتبار سے پڑھا لکھا طبقہ کہا جاتا ہے وہ بھی توہّم پرستی کا شکار ہے۔ اچھے بھلے لوگ بھی ''توہّم پرستی'' کی دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں۔ زیرنظر مضمون میں ہم انھی توہمات، ان کے اسباب اور نقصانات کے حوالے سے چند گزارشات پیش کریں گے۔ امید واثق ہے کہ ان نقصانات کو مدنظر رکھتے ہوئے توہم پرست لوگ ضرور بالضرور ان توہمات سے چھٹکارا پانے کی کوشش کریں گے۔

معاشرے میں رائج توہمات کی مختلف صورتیں

① ماہِ محرم کی بدعقیدگی

ماہِ محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ یہ حرمت والا مہینہ اور اس کی دس تاریخ کا روزہ



بڑی فضیلت کا حامل ہے۔ اس مہینے سے متعلق بہت سی رسومات اور خیالات معاشرے میں رائج ہیں۔ انھی خیالات میں سے ایک خیال یہ بھی پایا جاتا ہے کہ محرم میں شادی کرنا درست نہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض لوگوں میں یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ شادی کے بعد جو پہلا محرم آئے گا لڑکی وہ مہینہ اپنے ماں باپ کے ہاں گزارے گی۔ یہی وجہ ہے کہ محرم شروع ہونے سے پہلے ہی نئے جوڑے میں جدائی ڈال دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی محرم کے حوالے سے بہت سے خیالات پائے جاتے ہیں جن کی شرعی طور پر کوئی حقیقت نہیں ہے۔

② ماہِ صفر منحوس ہے

ماہِ صفر اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے۔ عرف عام میں اسے منحوس کہہ دیا جاتا ہے۔ لوگ اس مہینے میں شادی بیاہ یا نیا کاروبار وغیرہ شروع کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس حوالے سے توہم پرستی یہ پائی جاتی ہے کہ صفر میں جو شادی کی جائے وہ ناکام ہوجاتی ہے اور کاروبار میں خسارہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ماہِ صفر کے حوالے سے جو بھی توہمات معاشرے میں پائے جاتے ہیں وہ سب بے اصل ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اسی طرح کے توہمات پائے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان توہمات کی نفی کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''ماہِ صفر کے منحوس ہونے میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔''

(صحیح البخاري: 5757)

③ کوے کا بولنا اور آٹے کا پھدکنا

کوا ایک مشہور پرندہ ہے جو ہمارے ہاں بکثرت پایا جاتا ہے۔ یہ کوے اپنی خوراک کی تلاش میں اِدھر اُدھر اڑتے پھرتے رہتے ہیں۔ اسی تلاش میں یہ گھروں کی چھتوں یا دیواروں پر آکر بیٹھ جاتے ہیں کہ جیسے ہی کوئی کھانے کی چیز نظر آئے اسے اچک کر لے اڑیں۔ دوسرے پرندوں کی طرح یہ بھی دیوار پر بیٹھ کر گنگناتے ہیں۔ اب وہ کیا گنگنا رہے ہیں یا ایک دوسرے سے کیا بات کر رہے ہیں یہ تو وہی جانتے ہیں مگر ان کے اس طرح بولنے سے ہمارے ہاں صرف ایک ہی مطلب سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ''مہمان آرہے ہیں۔'' کوا چاہے دوسرے کوے سے لڑائی کر رہا ہو کہ فلاں چیز میں نے اٹھانی ہے مگر ہمارے ہاں اس لڑائی کا مطلب بھی یہی سمجھ لیا جاتا ہے کہ مہمان آرہے ہیں۔ کوے کے بولنے پر مہمانوں کی آمد کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوا اگر بولتا ہے تو اپنے مقصد کے لیے بولتا ہے نہ کہ ہمیں مہمانوں کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور وہم بھی معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ خواتین کے آٹا گوندھتے ہوئے اگر آٹا پھدک کر باہر گر جائے تو کہا جاتا ہے کہ آج مہمان آنے ہیں جو آٹا پرات سے باہر گرا ہے۔ کوے کا بولنا یا آٹے کا باہر گرنا اس کا مہمانوں کی آمد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بس زبانی کلامی باتیں ہیں جو معاشرے میں رائج ہوچکی ہیں۔

④ بابا ٹانگ توڑ دے گا

گناہ جیسا بھی ہو اور جس جگہ بھی کیا جائے شرعاً ممنوع ہے۔ عوام الناس میں خاص کر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں یہ سوچ پائی جاتی ہے کہ اگر کسی مزار یا دربار پر کوئی غلط حرکت کی تو صاحب مزار باباجی کوئی نقصان پہنچادیں گے، اس لیے ملاقات کے لیے کسی اور جگہ کا انتخاب کیا جائے۔ ایسے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جب آپس میں دوستی لگاتے ہیں تو وہ خصوصاً مزار پر جانے سے احتراز کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قبر میں موجود باباجی کو کیا خبر کہ یہاں کیا ہورہا ہے۔ آنے والے لڑکے اور لڑکی کا باہم کیا رشتہ ہے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ایسی جگہوں پر بھی جا کر انھیں ملاقات کرنی چاہیے بلکہ ہمارا مقصد اس توہم پرستی کا خاتمہ ہے۔

⑤ کالی بلی کو جلدی ہے

اللہ تعالیٰ کی اس وسیع مخلوق میں کوئی بھی چیز رائیگاں یا منحوس نہیں ہے۔ ہمارے ہاں لوگوں کی اکثریت کالی بلی کو منحوس قرار دیتی ہے۔ ان کی حالت اور کیفیت یہ ہے کہ اگر راستے میں جاتے ہوئے ''کالی بلی'' راستہ کاٹ جائے تو اسے اپنے لیے نقصان کا باعث سمجھ لیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو اپنے کام پر جانے کی بجائے واپس گھر آجاتے ہیں کہ آج آگے سے کالی بلی گزری ہے کام میں فائدہ نہیں بلکہ نقصان



ہوگا۔حقیقت یہ ہے کہ بلی تو بلی ہی ہے چاہے وہ سفید ہو یا کالی۔ اس لیے کالی بلی کے راستہ کاٹنے پر خوفزدہ ہونے کے بجائے اپنے کام پر جائیں اور محنت سے کام کریں۔ بلی کے راستہ کاٹنے پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ بے چاری بلی کو جلدی ہوگی جو اس نے آپ کا راستہ کاٹ دیا اور آگے سے گزر گئی۔ اگر اسے پتہ ہو کہ آگے سے گزرنے پر آپ اسے منحوس سمجھتے ہیں تو شاید وہ آپ کے گزرنے کا انتظار کرلے۔

اسی طرح اگر گھر کے اردگرد یا چھت سے بلیوں کے چیخنے کی آواز آئے تو اسے بھی کسی مصیبت کے آنے کی اطلاع اور ناخوشگوار سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی صرف ایک خام خیالی ہے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ممکن ہے بلی کسی تکلیف کی وجہ سے کراہ رہی ہو یا وہ اپنے کسی دشمن کو دیکھ کر چلا رہی ہو، آپ خوامخواہ اس کے چلانے پر گھر میں بیٹھے ڈرنا شروع کردیتے ہیں اور کسی مصیبت کے آنے کا انتظار کرنے لگتے ہیں۔

⑥ رات کے وقت روحوں کی آمد

عموماً یہ ایک وہم پایا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہوجاتا ہے تو کچھ دنوں تک رات کے وقت اس کی روح اپنے گھر یا قریبی رشتے داروں کے گھر آتی ہے اور دروازے پر دستک دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل خانہ کے ہاں کچھ دنوں تک اس روح کی واپسی کا بہت زیادہ خوف اور ڈر پایا جاتا ہے۔بعض لوگ تو رات کو سوئے ہوئے ہڑبڑا کر اٹھ پڑتے ہیں کہ باہر دروازہ بج رہا ہے۔ جب باہر کسی کو نہیں پاتے تو اسے فوت شدہ کی روح سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایک ''وہم'' سے بڑھ کر اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ شریعت میں روحوں کی واپسی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ احادیث تو اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ فوت ہونے کے بعد نیک لوگوں کی روحیں علیین میں اور بدلوگوں کی روحیں سجین میں چلی جاتی ہیں۔

⑦ ہاتھوں پر خارش

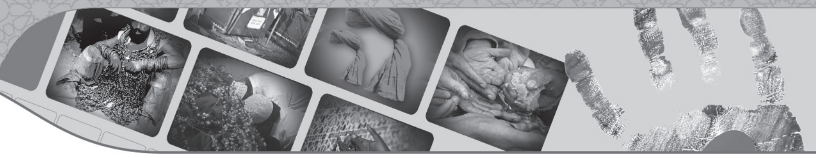
جسم کے کسی بھی حصہ پر خارش ہونا ایک فطری چیز ہے۔ مگر ہمارے ہاں کمزور عقیدہ افراد نے اس کے ساتھ بھی نفع اور نقصان کو جوڑ رکھا ہے۔مشہور یہ ہے کہ اگر دائیں ہاتھ کی تلی پر خارش ہو تو اس کا مطلب ہے کہ کاروبار میں یا کسی بھی طرح منافع اور فائدہ ہوگا، اسی طرح اگر بائیں ہاتھ کی تلی پر خارش ہو تو اس کا مطلب ہے کہ نقصان ہوگا یا بلاوجہ کہیں پیسہ خرچ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ خارش ہونا ایک فطری چیز ہے، اس کا نفع ونقصان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اگر ہاتھ پر خارش ہو تو صرف خارش ہی کریں ان ہاتھوں کو شرک کی دلدل میں نہ گھسیڑیں۔

⑧ قرآن کا سایہ

شادی ایک پاکیزہ بندھن ہے جس میں لڑکے اور لڑکی کے نکاح سے ایک نیا خاندان وجود میں آتا ہے۔اس مبارک موقع پر بھی ایسی رسومات اپنالی گئی ہیں جو شرعاً ثابت نہیں ہیں۔ انھی میں سے ایک رسم رخصتی کے وقت لڑکی کے سر پر قرآن کا سایہ کرنا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لڑکی جس گھر میں جارہی ہے وہاں خوش وخرم رہے گی اور یہ شادی کامیاب رہے گی۔ میاں بیوی کی باہم محبت رہے گی اور لڑائی جھگڑا نہیں ہوگا۔بعض لوگوں کا تو یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اس طرح لڑکی کو قرآن کے سپرد کردیا جاتا ہے اور پھر قرآن ہر طرح کے غم سے لڑکی کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہے۔ اچھا بھلا پڑھا لکھا طبقہ بھی اس ''توہم پرستی'' کا شکار نظر آتا ہے۔ قرآن وحدیث میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس طرح قرآن کا سایہ کرکے مذکورہ فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں، اس لیے ایسے غلط اوہام سے بچنا چاہیے۔

⑨ گاڑی نئی اور جوتا پرانا

نظر بد کا لگ جانا ایک حقیقت ہے۔ جانداروں کے ساتھ ساتھ بے جان اشیاء پر بھی نظر بد کا اثر ظاہر ہوسکتا ہے۔نظر بد سے بچنے کے لیے شریعت نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہر بندہ اس پر عمل کرکے اپنے آپ کو اور اپنی اشیاء کو نظر بد سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔لیکن ہمارے ہاں ایک عجیب سوچ اور فکر رائج ہے۔ اگر کوئی شخص نئی گاڑی لیتا ہے تو اسے نظر بد سے بچانے کے لیے اگلی اور پچھلی جانب پرانا جوتا لٹکا دیتا ہے۔ آج کل جدت کی بنیاد پر کچھ لوگ نیا جوتا بھی لٹکانے لگے ہیں۔ بہرحال مقصد



ایک ہی ہوتا ہے گاڑی کونظربد سے بچانا۔ظاہر بات ہے آئے روز نئی گاڑی وہی خریدے گا جس کے پاس پیسے کی ریل پیل ہواور پڑھا لکھا ہومگر دین کے اعتبار سے وہ اس قدر زیرو ہوتے ہیں کہ گاڑی کونقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے اس پرانے جوتے کے سپرد کردیتے ہیں۔گاڑی یاکسی بھی چیز کونقصان سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جوتے باندھنے یا نہ باندھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اسی سے ملتی جلتی ایک توہم پرستی نیا گھر بنا کرچھت کے اوپرمٹی کی کالی ہنڈیا رکھنے کی ہے۔ اچھا بھلا صاف ستھرا رنگین گھر بنا کر چھت کے ایک کونے پر کالی ہنڈیا رکھ دی جاتی ہے تاکہ گھر کسی بھی قسم کی نظربد سے محفوظ رہے۔ بھلا ہنڈیا کے اندر یہ تاثیر کہاں کہ وہ ایک بڑی سی کوٹھی کونظربد سے بچالے۔ ویسے بھی ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگراس ہنڈیا پر نظرہی نہ پڑے اور دوسری جانب سے دیکھ کر کوئی نظرلگاجائے تو پھر......؟

⑩ گھر میں گوشت کاٹکڑا

پرندے کھانے پینے کی تلاش میں ادھرادھر پھرتے رہتے ہیں۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی پرندہ کسی قصائی کی دکان سے گوشت کا لوتھڑا اپنے منہ میں یا پنجوں میں دبا کر کسی پرسکون جگہ کی تلاش میں پرواز کرتا ہے تاکہ سکون سے بیٹھ کر کھاسکے۔بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ گوشت کا لوتھڑا کسی گھر میں گر جاتا ہے۔ یونہی گھر والوں کی اس لوتھڑے پر نظر پڑتی ہے تو اسے فوراً جادو یا آسیب تصور کرلیتے ہیں۔ حالانکہ وہ لوتھڑا کسی پرندے کا گرا ہوتا ہے۔ یہ توہم پرستی ہی کا شاخسانہ ہے کہ ہمارا ذہن اس طرف جانے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی پرندے کی حرکت ہے بلکہ ہم اسے جادوگر کی حرکت قراردے دیتے ہیں۔ چونکہ شیطانی جنات اِدھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں جب وہ ایسی باتیں سنتے ہیں تو اپنے چیلے جادوگروں کواس سے آگاہ کرتے ہیں، پھر جادوگر اپنے چیلوں کے ذریعے ان لوگوں سے رابطہ کرتے ہیں اور پھراس کا جونتیجہ نکلتا ہے اس کے بےشمار واقعات ہمارے سامنے ہیں۔

⑪ قینچی کے بغیر جہیز

شادی کے وقت لڑکی والے اپنی بچی کو اپنی استطاعت کے مطابق جہیز کا سامان دیتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہرضرورت کی چیز اپنی بچی کو دیں مگر بعض لوگ جہیز میں سلائی مشین تو دے دیتے ہیں لیکن قینچی نہیں دیتے۔ قینچی نہ دینے کی وجہ جوہمیں معلوم ہوسکی وہ یہ ہے کہ اگرجہیز میں قینچی دی جائے گی توسسرال میں لڑکی کی زبان بھی قینچی کی طرح چلے گی جس وجہ سے وہ بدزبان تصور کی جائے گی۔ اس توہم پرستی کے شکارلوگوں نے قینچی اور زبان کے درمیان جو قدرمشترک دیکھی وہ کاٹنا ہے، یعنی قینچی کپڑے کوکاٹتی ہےاور زبان الفاظ کے ذریعے کاٹنے کا کام کرتی ہے۔ یہ ایک عجیب توہم پرستی ہے۔ اگرایسے دیکھا جائے تو بہت ساری چیزوں کے درمیان اشتراکیت پائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اشتراکیت پائے جانے کی وجہ سے ایک چیز دوسری چیز پر اثرانداز نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا جہاں دوسرا سامان دیا جاتا ہے وہاں قینچی دینے میں بھی کوئی حرج یا نقصان والی بات نہیں ہے۔

⑫ بچے کے ماتھے پرتل

چھوٹے بچوں کو جب نہلا کر نئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں تو وہ بہت خوبصورت لگتے ہیں۔اس خوبصورتی کی بنا پر ماں کے دل میں یہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ کہیں بچے کو بری نظر نہ لگ جائے۔اب بچے کونظربد سے محفوظ رکھنے کے لیے شرعی طریقہ کار کو اپنانے کے بجائے اس کے ماتھے پر سیاہ تل لگادیا جاتا ہے۔توہم پرستی کے علاوہ اس سیاہ تل کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس لیے بچوں کونظربد سے بچانے کے لیے مسنون دعا پڑھ کر دم کیا جائے نہ کہ ماتھے پر سیاہ تل لگایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے نواسوں سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کونظربد سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ دعا پڑھ کر دم کیا کرتے تھے: «أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ» ”میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے جانور سے اور ہرلگ جانے والی نظر سے۔“ (صحيح البخاري:3371)

⑬ قرآن اورطوطے کے ذریعے فال

طوطے کے ذریعے فال نکالنے والے آپ کو



جگہ جگہ فٹ پاتھوں پر بیٹھے دکھائی دیں گے۔ مختلف لفافوں کے اندر الگ الگ تحریریں ڈال کر رکھ دی جاتی ہیں اور طوطے کو چھوڑا جاتا ہے کہ کوئی ایک لفافہ اٹھائے۔ جو شخص فال نکلوا رہا ہے اس کاغذ پر اس کی قسمت لکھی ہوتی ہے کہ اس کا مستقبل کیسے گزرے گا۔ اب اس لفافے پر جو لکھا ہوتا ہے اسے من وعن درست سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کے مطابق ہی اپنی سوچ بنالی جاتی ہے۔ تعجب یہ ہے جو شخص فٹ پاتھ پر بیٹھ کر فال نکال رہا ہوتا ہے اسے خود اپنی قسمت کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ یہ ایک توہم پرستی ہے کہ ہم ایک آدمی کی لکھی ہوئی اور طوطے کی نکالی ہوئی تحریر پر یقین کامل کر بیٹھتے ہیں۔

طوطے کے ذریعے فال ایک قدیم طریقہ رہا ہے مگر آج کل بعض لوگ قرآن کے ذریعے بھی فال نکالتے ہیں۔ ان کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ جب انھوں نے کوئی کام کرنا ہو تو وہ اندازے سے قرآن کھولتے ہیں۔ اب قرآن کا جو صفحہ کھلتا ہے اس پر جو پہلی آیت ہوتی ہے اسے دیکھا جاتا ہے۔ اگر وہ آیت خوشخبری سے متعلق ہے یا اس میں کسی کام کے کرنے کا حکم ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ فلاں کام کرلیا جائے اور اگر وہ آیت کافروں کی سرکشی سے متعلق ہے یا اس میں کسی کام سے روکا گیا ہے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ فلاں کام نہیں کرنا چاہیے۔

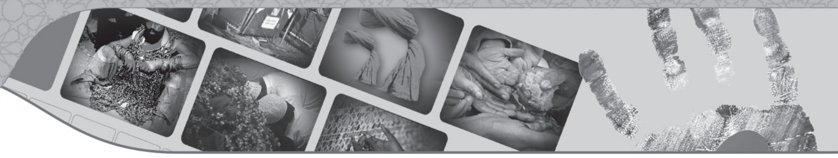
بلاشبہ قرآن مجید ایک مقدس کتاب ہے لیکن اس طرح فال کے لیے اس کے استعمال کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل معاشرے میں فال نکالنے کے جتنے بھی طریقے رائج ہیں وہ سب باطل ہیں اور توہم پرستی کا شاخسانہ ہیں۔

(14) صبح صبح ادھار

تجارت ایک بابرکت پیشہ ہے۔ اگر اس میں لین دین کے معاملے میں لوگوں سے نرمی کی جائے تو یہ برکت کے ساتھ ساتھ باعث اجر بھی ہے۔ خاص کر اگر کسی شخص کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے پیسے نہ ہوں تو اسے کوئی چیز ادھار دے دینا بڑی فضیلت والا عمل ہے۔ مگر ہمارے ہاں عموماً دکانداروں نے یہ لکھ کر لگایا ہوتا ہے کہ صبح کے وقت ادھار بند ہے۔ ان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ اگر صبح کے وقت یا پھر پہلے پہل آنے والے گاہک کو ادھار دے دیا جائے تو پھر سارا دن ادھار ہی چلتا رہتا ہے اور کچھ خاص منافع حاصل نہیں ہوتا۔ یوں کہہ لیں کہ برکت ختم ہوجاتی ہے۔ یہ سوچ ایک باطل سوچ ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شریعت جس عمل پر اجروثواب کا اعلان کررہی ہے وہ عمل برکت کے خاتمے کا باعث بن جائے۔ بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر ادھار لینے والا سب سے پہلے دکاندار کے پاس چلا جائے تو وہ اسے خالی ہاتھ واپس موڑ دیتا ہے۔ یہ ایک باطل اور گھٹیا سوچ ہے کہ صبح کے وقت یا پھر پہلے گاہک کو ادھار دینے سے برکت ختم ہوجاتی ہے۔ اگر کبھی ایسا موقع بن جائے تو دکاندار کو خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے صبح صبح ہی نیکی کا موقع دے دیا۔ اور اسے یہ یقین کرلینا چاہیے کہ کسی مجبور کو ادھار دینے پر اس کے مال میں مزید برکت ہوگی۔

(15) سانپ بدلہ لیتے ہیں

شریعت موذی جانوروں کو مارنے کی اجازت دیتی ہے بلکہ بعض خطرناک موذی جانوروں کو مارنے کا حکم ہے۔ ہمارے ہاں ایک خیال یہ پایا جاتا ہے کہ سانپوں میں سے اگر نر سانپ کو مار دیا جائے تو مادہ سانپ اس مارنے والے سے بدلہ لیتی ہے اور اسے کہیں نہ کہیں ضرور ڈستی ہے۔ اسی طرح اگر مادہ کو مار دیا جائے تو نر سانپ اس کا بدلہ ضرور لیتا ہے۔ گویا اس خوف کی بنا پر کہ سانپ بدلہ لیتے ہیں سانپ کو مارنے سے گریز کیا جاتا ہے اور اگر مار دیا جائے تو مارنے والے پر ایک خوف طاری رہتا ہے کہ پتہ نہیں کب دوسرا سانپ اسے ڈس کر مار دے۔ یہی وہم زمانہ جاہلیت میں بھی پایا جاتا تھا جس کی نفی رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی: «مَنْ تَرَكَ الْحَيَّاتِ مَخَافَةَ طَلَبِهِنَّ فَلَيْسَ مِنَّا» ''جس نے سانپوں کو ان کے بدلے کے ڈر سے چھوڑ دیا وہ ہم سے نہیں۔'' (سنن أبي داود: 5250) یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ سانپ کو اس بات کا کیا علم کہ جس نے نر یا مادہ کو مارا ہے وہ کہاں کا رہنے والا ہے جو وہ اس کا پیچھا کرے گا۔ اسی طرح اس کو کیا معلوم کہ مارنے والا کہاں موجود ہے جو وہ اس کو جا کر ڈس لے گا۔ بہرحال یہ سنی سنائی باتیں ہیں جن کی شریعت نے نفی کی ہے۔



⑯ آنکھ پھڑکنا

آنکھ پھڑکنے سے متعلق توہم پرستی بھی عام پائی جاتی ہے۔ جب کسی کی آنکھ پھڑکے تو اس سے یہ اندازہ لگالیا جاتا ہے کہ آج کچھ ہونے والا ہے۔ اب ہونا کیا ہے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ بس ایک خوف اپنے اوپر طاری کرلیا جاتا ہے کہ پتہ نہیں آج کیا ہونے والا ہے جو آنکھ پھڑک رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھ کا پھڑکنا کسی اور وجہ سے تو ہوسکتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ آنکھ آپ کو کسی بہت بڑے خطرے سے آگاہ کررہی ہے۔

توہم پرستی کے اسباب

معاشرے میں رائج ہونے والی کسی بھی چیز کے کچھ نہ کچھ اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کچھ اسباب ہیں جن کی بنیاد پر توہم پرستی روز بروز معاشرے میں پھیلتی جارہی ہے۔ چند ایک اسباب ہم یہاں درج کرتے ہیں:

① پرانی کہاوتیں اور قصے

توہم پرستی کا ایک سبب پرانی کہاوتیں اور جھوٹے قصے کہانیاں ہیں۔ خاص کر ایسے قصے اور کہانیاں جو جنات اور پریوں سے متعلق ہیں۔ ان کہانیوں میں ایسی ایسی باتیں ذکر کی جاتی ہیں جو عام لوگوں کو اپنے سحر میں گرفتار کرلیتی ہیں۔ خاص کر توہم پرستی سے متعلق باتیں ان کہانیوں کا بنیادی موضوع ہوتی ہیں۔ اسی طرح پرانی کہاوتیں بھی توہم پرستی کی شکل اختیار کرچکی ہیں۔ گویا یہ ایک ایسی توہم پرستی ہے جو باپ دادا کے نام پر نسل در نسل پھیلتی جارہی ہے۔

② فلمیں اور ڈرامے

فلمیں اور ڈرامے بھی توہم پرستی کا ایک سبب ہے۔ خاص کر بھارتی فلمیں اور ڈرامے توہم پرستی پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان فلموں میں ایسے ایسے سین دکھائے جاتے ہیں جن میں کھلم کھلا توہم پرستی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ خاص کر بھارتی فلموں اور ڈراموں میں تو ہندو مذہب سے متعلق اوہام پرستی پائی جاتی ہے جو ان فلموں کے راستے ہمارے معاشرے میں سرایت کرجاتی ہے۔

③ خواتین کی دین سے دوری

ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ خواتین کو دینی تعلیم سے بالکل بے بہرہ رکھا جاتا ہے۔ انھیں نہ تو گھر میں دینی لٹریچر فراہم کیا جاتا ہے اور نہ ہی دینی پروگراموں اور خطبات جمعہ میں شرکت کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خواتین کو نماز روزے کے علاوہ دین کا کچھ زیادہ علم نہیں ہوتا جس بنا پر وہ غیرشرعی خیالات کا بہت جلد شکار ہوجاتی ہیں اور توہمات پر یقین کامل کرلیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر خواتین کے ذریعے ہی مردوں میں توہم پرستی داخل ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خواتین کو دینی علم سے روشناس کیا جائے۔ اگر وہ باقاعدہ دینی علم حاصل نہیں کرسکتیں تو انھیں گھر ہی میں دینی لٹریچر فراہم کیا جائے اور خاص کر دینی پروگراموں اور خطبات جمعہ میں حاضری کو یقینی بنایا جائے۔

توہم پرستی کے نقصانات

اگر عمیق نظر سے توہم پرستی کا جائزہ لیا جائے تو اس کے بڑے خطرناک نقصانات ہیں۔ توہم پرستی اس دنیا میں بھی نقصان کا باعث ہے اور آخرت میں بھی۔ ان نقصانات میں سے چند ایک درج کیے جاتے ہیں:

① عقیدہ توحید پر ضرب کاری

عقیدہ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ اس عقیدے کی روشنی میں تمام عبادات کا حقیقی مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ نفع ونقصان کے تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ توہم پرستی اس عقیدے پر ضرب کاری لگاتے ہوئے نفع و نقصان کو مخلوقات میں سے دیگر اشیاء کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ اس کی چند مثالیں ہم نے مضمون کی ابتدا میں ذکر کی ہیں جو سب عقیدہ توحید کے مخالف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ نفع ونقصان کے تمام اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں۔ قرآن اور حدیث سے صرف ایک ایک دلیل ہم اس پر پیش کرتے ہیں:

① فرمان الٰہی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَراً وَّلَا نَفْعًا﴾ ”اے پیغمبر ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ تم اللہ کے علاوہ اس کی عبادت



کرتے ہو جو نہ تو تمھارے نقصان کے مالک ہیں اور نہ ہی نفع کے؟'' (المآئدة 76:5) اس آیت میں اگرچہ معبودانِ باطلہ کا ذکر ہے نہ کہ توہم پرستی کا لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کی جاتی ہے جب وہ کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے تو کسی اور چیز کو یہ اختیار کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ توہم پرستی میں عبادت نہیں بلکہ کسی چیز سے متعلق صرف خوف یا امید دل میں بٹھالی جاتی ہے۔

② **حدیث نبوی:** عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن میں سواری پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے مخاطب ہوکر فرمایا: اے بچے! میں تمھیں کچھ کلمات سکھاتا ہوں انھیں اپنے پلے سے باندھ لینا۔ تو اللہ تعالیٰ (کے دین) کی حفاظت کر اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ (کے دین) کی حفاظت کر تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پائے گا۔ جب بھی تجھے کسی چیز کے سوال کی ضرورت پیش آئے تو اللہ ہی سے سوال کرنا اور جب بھی تجھے مدد کی ضرورت ہو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرنا۔ یہ بات جان لے (اور یقین کرلے) کہ اگر تمام لوگ تجھے کسی چیز کے بارے نفع پہنچانے پر جمع ہوجائیں تو وہ تجھے صرف اس قدر ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ (اور اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں فائدہ نہیں لکھا تو وہ سب مل کر بھی تجھے فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔) اگر تمام لوگ اس بات پر جمع ہوجائیں کہ کسی چیز کے بارے میں تجھے نقصان پہنچائیں تو وہ صرف اس قدر ہی نقصان پہنچاسکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ (اور اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں نقصان نہیں لکھا تو وہ سارے اکٹھے ہونے کے باوجود بھی تجھے نقصان نہیں پہنچاسکتے۔)'' (جامع الترمذي: 2516) جب تمام لوگ چاہنے کے باوجود نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے تو پھر وہ چیزیں نفع و نقصان کیسے پہنچاسکتی ہیں جنھیں ہماری سوچ اور توہم پرستی کا علم بھی نہیں ہے۔

② جعلی عاملوں کا شکار

کالے علم اور جادو کی کاٹ کے ماہر جعلی عامل آپ کو جگہ جگہ ملیں گے۔ صرف عامل ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے سائن بورڈ نظر آئیں گے جن پر کالے علم اور جادو کی کاٹ کے ماہر، محبت میں ناکامی، محبوب آپ کے قدموں میں، یہ اور اس جیسے عجیب عجیب جملے آپ کو لکھے نظر آئیں گے۔ ایسے عامل توہم پرست لوگوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جیسے ہی انھیں کوئی توہم پرست شخص ملتا ہے تو یہ اسے فوراً اپنے آئینے میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر وہ عامل اپنی کوشش کے مطابق اس سے مال بٹورتا ہے اور اگر توہم پرستی کا شکار خواتین ہوں تو پھر بہت سارے واقعات ایسے بھی ہیں کہ وہ مال کے ساتھ ساتھ اپنی عزت بھی گنوا بیٹھتی ہیں۔ یہ سب توہم پرستی ہی کا شاخسانہ ہے جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

③ ترقی کی راہ میں رکاوٹ

توہم پرستی ترقی کی راہ میں بھی رکاوٹ ہے۔ ایک توہم پرست شخص کسی چیز کے ساتھ اپنے فائدے کو جوڑ دیتا ہے تو اسی پر اکتفا کرکے بیٹھ جاتا ہے اور اپنے کام پر توجہ نہیں دیتا۔ اسی طرح ایک شخص جب دیکھتا ہے کہ ایک کالی بلی اس کا راستہ کاٹ کر چلی گئی ہے تو وہ کام پر جانے کے بجائے گھر واپس چلا جاتا ہے۔ اب جب دو چار دن کالی بلی اس کا راستہ کاٹتی رہے گی تو وہ کیا کام کرے گا اور کیا ترقی کرے گا!!

④ توہم پرست ایک نامعلوم خوف کا شکار

معاشرے میں رائج توہم پرستی کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ جب ایک شخص ان پر یقین کرلیتا ہے تو وہ ایک نامعلوم اور انجانے سے خوف میں مبتلا رہتا ہے۔ اس پر ہر وقت ایک عجیب سا خوف طاری رہتا ہے کہ پتہ نہیں اب کیا ہونے والا ہے۔ گویا اس انجانے خوف سے باہر نکلنے کے لیے توہم پرستی سے باہر نکلنا ضروری ہے۔ ہمیں یہ دعا گاہے گاہے پڑھتے رہنا چاہیے: «اَللّٰھُمَّ لَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُكَ وَلَا خَیرَ اِلَّا خَیرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَیرُكَ» ''اے اللہ! نہیں ہے کوئی بدشگونی، مگر تیری ہی بدشگونی (تیرے ہی حکم سے) اور نہیں ہے کوئی بھلائی مگر تیری ہی بھلائی (تیری ہی مشیت سے) اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' (مسند أحمد: 220/2)



اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت

الشیخ عبدالصمد رفیقی حفظہ اللہ

جس طرح اردو زبان میں ایک لفظ سے دوسرا لفظ نکلتا ہے اسی طرح عربی زبان میں بھی ایک لفظ سے دوسرا لفظ نکلتا ہے، مثلاً: انسان سے انسانیت، اہم سے اہمیت، اِلٰہ سے اُلوہیت اور رب سے ربوبیت۔ رب عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے درج ذیل معانی ہیں:

① خالق ② مالک ③ بادشاہ، آقا، سردار ④ مدبِّر، منتظم، نگران ⑤ پروردگار، پالنے والا، مُربی، ضروریات زندگی مہیا کرنے والا، نعمتوں سے نوازنے والا، نقصانات سے بچانے والا، اصلاح کرنے والا اور ⑥ فیصلہ کرنے والا، فرمان جاری کرنے والا، جزاء دینے والا، سزا دینے والا۔

عقیدہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ رب العزت کی ان صفاتِ کمال پر ایمان بالغیب رکھیں اور کسی محکم دلیل کے بغیر ان میں سے کسی صفت کو کسی مخلوق کی طرف مجازی طور پر بھی منسوب نہ کریں کجا یہ کہ ساری صفات ہی کسی مخلوق کی طرف منسوب کردی جائیں۔ اب ہم ان معانی کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کی وضاحت کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ!

اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی نہیں ہے جو کسی چیز کو پیدا کرے اور اسے عدم سے وجود میں لائے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بلاشرکت غیرے اس کائنات کے ذرے ذرے کا خالق ہے اور جس طرح وہ کسی چیز کا خالق ہوتا ہے اسی طرح وہ اس چیز کے جملہ لوازمات کا بھی خالق ہوتا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ ''آگاہ ہوجاؤ صرف اسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔'' (الأعراف 54:7) ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے چیلنج کے طور پر پوچھا ہے: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ﴾ ''کیا اللہ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے؟'' (فاطر 3:35) کتاب وسنت میں بندوں کو بھی پیدا کرنے والا کہا گیا ہے یا بندوں کے کاموں میں سے ایک کام پیدا کرنا بھی بتایا گیا ہے، مثلاً: ارشاد باری ہے: ﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ ''پس بابرکت ہے اللہ، جو پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔'' (المؤمنون 14:23) اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مصوروں سے کہے گا: «أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ» ''جو چیز تم نے پیدا کی تھی اسے زندہ کرو۔'' (صحيح البخاري: 5951)

① یقیناً کتاب وسنت کی ہر بات برحق ہے۔ ان باتوں میں تضاد نہیں ہے کیونکہ یہ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، ایک ہی فرشتے (جبریل امین علیہ السلام) کے ذریعے نازل کی گئی ہیں اور ایک ہی پیغمبر پر نازل کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا اور نبھایا ہوا ہے۔

② دراصل یہ صرف الفاظ کی حد تک ظاہری مشابہت ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پیدا کرنے کی صفت یا فعل کو جب ہم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اس سے وہ معنی مراد ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے اور جب ہم اس صفت یا فعل کو کسی بندے کی طرف منسوب کرتے ہیں تو وہ مفہوم مراد ہوتا ہے جو

بندوں کے حسب حال ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا مطلب ہے کسی چیز کو ایجاد کرنے والا، عدم سے وجود میں لانے والا یعنی پہلے وہ چیز موجود نہیں تھی پھر اس کے پیدا کرنے سے وجود میں آگئی جبکہ بندے کے خالق ہونے کا مطلب ہے پہلے سے موجود کی حالت بدلنے والا، مثلاً: بندہ لکڑی سے مختلف چیزیں تیار کرسکتا ہے مگر خود لکڑی کو پیدا کرنا اس کے بس میں نہیں ہے کیونکہ اس کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی طرح مختلف دھاتوں سے مختلف انسانی اعضاء بنائے اور بیچے جاتے ہیں اور معذوروں کو لگائے بھی جاتے ہیں مگر انسانی اعضاء میں جو قدرتی میٹریل اللہ تعالیٰ نے لگادیا ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ کہاں قدرتی دانت اور کہاں مصنوعی دانت، مصنوعی ٹانگ قدرتی ٹانگ کا نعم البدل ہرگز نہیں بن سکتی۔ واقعی بڑا ہی بابرکت ہے وہ اللہ جو احسن الخالقین ہے۔

④ اللہ تعالیٰ خود بھی ازلی ابدی ہے اور اس کی صفت خلق بھی ازلی ابدی ہے جبکہ بندہ اور اس کی صفات یا افعال ازلی ابدی نہیں ہیں، ارشاد باری ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ ”جو کوئی بھی اس (زمین) پر ہے فانی ہے اور باقی رہے گا تیرے رب کا چہرہ جو بڑے جلال اور بڑی عزت والا ہے۔“ (الرحمن 27:55)

⑤ اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا ہر لحاظ سے کامل ہے جبکہ بندے کا خالق ہونا ہر لحاظ سے ناقص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ المومنون کی آیات (12 تا 14) میں انسانی تخلیق کے جن مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے خاص افعال ہیں جن پر کوئی مخلوق قدرت نہیں رکھتی۔ شائد اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اَحسن الخالقین کہہ کر دراصل ”خالقین“ کی بے بسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مذکورہ حدیث شریف بھی اسی نکتے کو اجاگر کررہی ہے کیونکہ دنیا بھر کے مصور کسی دھات سے مورتی بناسکتے ہیں، قلم اور برش سے کوئی تصویر بناسکتے ہیں، جدید ترین کیمروں سے انسانی عکس کو محفوظ کرسکتے ہیں مگر سب مل کر بھی کسی تصویر میں جان نہیں ڈال سکتے۔ جب وہ جان نہیں ڈال سکتے تو پھر ان کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ کسی جاندار کا سر اور چہرہ بناتے مگر وہ باز نہیں آئے اور اپنا شوق پورا کرتے چلے گئے۔ چنانچہ قیامت کے دن انھیں کہا جائے گا: اپنی ”تخلیق“ میں جان ڈالو اور جب وہ جان نہیں ڈال سکیں گے تو شدید ترین عذاب سے دوچار ہوں گے۔ (صحیح البخاري: 5954,5953) والعیاذ باللہ وہی بچے گا جسے اللہ بچائے گا۔ تو جو شخص اپنی بنائی ہوئی تصویر میں نہ دنیا میں جان ڈال سکا نہ آخرت میں جان ڈال سکے گا بلکہ اس جرم کی پاداش میں عذاب شدید سے دوچار ہوگا کیا اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ پیدا کرنے میں کامل ہے؟ ہرگز نہیں!

⑥ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، ارشاد باری ہے: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ﴾ ”یہ ہے اللہ، تمھارا رب، ہر چیز کو پیدا کرنے والا، کوئی (سچا) معبود نہیں ہے مگر وہی پھر تم کیسے بہکائے جاتے ہو۔“ (المؤمن 62:40) اس کے برعکس بندے کو دیکھ لیں وہ ہر چیز کو نہ پیدا کرسکتا ہے نہ مہیا کرسکتا ہے کُجا یہ کہ وہ سب چیزوں کے حالات بدل دے۔

⑦ ہم اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا ایمان بالغیب کی بنیاد پر جانتے اور مانتے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی دلیل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں نہ اس کا مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے ایمان کا قوی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کو دل و جان سے مانیں۔ لیکن بندوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اگر کوئی شخص کسی فرشتے، کسی پیغمبر یا کسی مرشد کے بارے میں یہ دعویٰ کردے کہ وہ درپردہ کئی چیزوں کا خالق ہے تو اسے ہرگز تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ سچی خبر کے بغیر کسی چیز پر ایمان بالغیب لانا صحیح نہیں ہوتا۔

⑧ طریق کار بھی مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے تو اس کا اپنا طریقہ ہے جو اسی کے لائق ہے جبکہ بندہ ہمیشہ بندوں والے طریقے اپنا کر ہی مختلف ممکن مقاصد کو حاصل کرپاتا ہے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے طریقے میں محتاجی کا شائبہ تک نہیں ہوتا جبکہ بندے کے طریقے میں قدم قدم پر محتاجی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی طاقت سے ہر چیز کو پیدا کرتا ہے جبکہ بندہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت، طاقت اور توفیق سے کسی چیز کو بناتا اور تیار کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ صرف کلمہ ”کن“ کہہ کر بھی چیزوں کو وجود بخشتا ہے جبکہ بندہ ایسا کرنے سے قاصر ہے۔ البتہ اگر کتاب و سنت

نے کوئی صراحت کردی ہے تو وہ بہرحال واجب الایمان ہے، مثلاً: عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر مردہ زندہ ہوجاتا تھا اور قیامت کے قریب دجال اکبر کے کہنے پر مردہ زندہ ہوگا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس معجزے کی بنیاد پر نہ اپنی خدائی کا دعویٰ کیا نہ لوگوں کو اس کی دعوت دی جبکہ دجال اکبر اس کام کو اپنا کارنامہ شو کرے گا اور اس کی بنیاد پر اپنی خدائی کا اعلان کرے گا اور لوگوں کو اس کی دعوت دے گا (والعیاذ باللہ۔)

⑨ کتاب و سنت میں مذکورہ تمام معجزات و کرامات واجب الایمان ہیں مگر ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا ہے نہ کہ اس کے مقبول بندے۔ معجزہ دکھانا ہے یا نہیں؟ کب اور کسی جگہ دکھانا ہے، کون سا دکھانا ہے، کس کے ہاتھ پر دکھانا ہے ان سب باتوں کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے نہ کہ اس کے مقبول بندوں کے ہاتھ میں۔ لہٰذا نہ تو معجزے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اسے معجزے والے پیغمبر نے پیدا کیا ہے اور نہ ہی کرامت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اسے کرامت والے مرشد نے پیدا کیا ہے کیونکہ معجزات و کرامات سمیت ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ اقدس ہے۔

⑩ چنانچہ معجزہ و کرامت کی حقیقی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے گی کیونکہ وہی ان کا خالق ہوتا ہے جبکہ مقبول بندوں کی طرف ان کی مجازی نسبت کی جائے گی کیونکہ ان کے ہاتھ پر وہ صرف صادر ہوتے ہیں، تاہم محکم ثبوت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی کام کو کسی مخلوق کی طرف مجازی طور پر منسوب کرنا بھی درست نہیں۔



ضیائے حدیث

کوئز پروگرام

ابوعبداللہ
Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہِ اکتوبر کے درست جوابات

① ''اگر تم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی طرح ایمان لاؤ گے تو کامیاب ہوجاؤ گے۔'' (البقرۃ 137:2)
② سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو کہا جاتا ہے۔
③ نوحہ اور ماتم کرنا شرعاً حرام ہے۔
④ رسومات محرم: نوحہ اور ماتم کرنا، تعزیہ اور جلوس نکالنا، حلیم بنا کر بانٹنا۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ تک فری رسالہ پانے والوں کے نام

عبداللہ ابڑو (بدین) منظور احمد (تھرپارکر) حبیب الرحمٰن (پشاور) عدن بنت ماجد (چیچہ وطنی) رقیہ بنت مختار (کراچی) خیر البریہ (نارووال) حافظ عثمان (لاہور) زینب بنت نثار، محمد یحییٰ (میرپور خاص)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان پوری دنیا کے ایمان پر راجح اور غالب ہے۔
② جادو بھی اللہ کے حکم کے بغیر اثر انداز نہیں ہوتا۔
③ دشمن یا مقابل پر فتح حاصل کرنا ''ظفر'' کہلاتا ہے۔
④ اقوام متحدہ مقبوضہ کشمیر کے ڈیڑھ کروڑ انسانوں کو بھارت کے شکنجے سے آزادی دلانے سے انکاری ہے۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① حدیث مکمل کریں: ''بچے جب سات سال کے ہوجائیں......؟
② نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس صحابی کے بارے میں کہا تھا کہ میں اس کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا؟
③ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تو ان کی عمر کتنی تھی؟
④ ماہِ صفر کے بارے میں کیا غلط خیالات مشہور ہیں؟

نوٹ: جوابات 15 تاریخ تک دفتر پہنچنا ضروری ہیں۔



ابوضرار ولید ملک

کشمیر کی تحریک آزادی.......

اور اوڑی حملے کی تجزیاتی رپورٹ

دنیا کی ایک خوبصورت ترین وادی کشمیر کو1846ء میں انگریزوں نے75 لاکھ روپوں کے عوض جموں کے ہندو راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھوں فروخت کر دیا اور جموں و کشمیر کو باجگزار ریاست بنالیا۔اس کی85% آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔تقسیم ہند کے وقت جن اصول و ضوابط کے تحت پاکستان بنا اسی فارمولے کے تحت 1947ء میں سری نگر میں کشمیری مسلمانوں نے بھی پاکستان سے الحاق کی قرار داد منظور کی لیکن اس وقت اگر ایک جانب وائسرائے ہند اور گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے اصولوں کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے بعض مسلم اکثریتی علاقوں گورداسپور، امرتسر اور فیروز پور جیسے اہم اضلاع بھارت کو دے کر بدترین سیاسی خیانت کا مظاہرہ کیا تو دوسری جانب انگریزوں کے پٹھو جموں وکشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ نے ایک سازش کے تحت بھارت سے الحاق کی مکروہ خواہش کا اظہار کیا جو سو فیصد ناممکن تھی۔ اس وقت کی پاکستانی اور کشمیری مسلم قیادت نے مہاراجہ کی اس ناپاک جسارت کی شدید مخالفت کی۔اس کے ساتھ ہی پورے کشمیر میں ہنگامے شروع ہوگئے جبکہ اس دوران مہاراجہ موت کے خوف سے فرار ہوکر جموں کی طرف بھاگ گیا۔ ادھر مجاہدین اسلام فتح پے فتح حاصل کرتے ہوئے سری نگر کے قریب پہنچ گے تاہم اس کی فتح سے پہلے بھارت نے 27 اکتوبر 1947ء کو طیاروں سے سرینگر ایئرپورٹ پر فوج اتاردی۔ کشمیر کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر غاصب بھارت نے اس طرح کشمیر کے دوتہائی علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کرکے ہزاروں بے گناہ اور نہتے کشمیری مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام کیا۔ اب تک مملکت اسلامیہ پاکستان اور غاصب بھارت کے درمیان کرگل سمیت کشمیر پر چار جنگیں ہوچکی ہیں۔لفظ پاکستان محض پانچ مسلم علاقوں کے ناموں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ پانچ مسلم علاقوں کے اتحاد کی علامت اور مملکت اسلامیہ پاکستان کی سلامتی کی ضمانت بھی ہے۔ پ سے پاکستان، ا سے افغانیہ یعنی خیبر پختونخوا، ک سے کشمیر، س سے سندھ اور تان سے بلوچستان۔جس طرح انسانی جسم میں کوئی عضو، مثلاً: ایک ٹانگ یا بازو یا پھر پاؤں یا آنکھ کم ہو تو وہ جسم نامکمل کہلایا جائے گا اسی طرح کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہی کہلائے گا۔جب ہم یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا مطلب کیا: «لَا اِلٰہَ



اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌرَّسُولُ اللّٰہِ » کلمہ میں سے کوئی حرف یا لفظ نکال دیا جائے تو دنیا کا کوئی بھی ذی شعور مسلمان اس کو مکمل کلمہ نہیں کہے گا۔ اسی طرح مملکت اسلامیہ پاکستان بھی کشمیر کے بغیر نامکمل ہی کہلائے گی۔

اوڑی کے واقعہ کے فوراً بعد ہی راقم نے برملا کہنا شروع کر دیا تھا کہ غاصب بھارت ایسا کوئی احمقانہ قدم نہیں اٹھائے گا جس سے وہ روس کی طرح ٹکڑوں میں بٹ جائے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں ماضی میں جھانکنا ہوگا جب 1986ء کے اواخر میں دنیا کی سب سے بڑی ''براس ٹیک'' بھارتی فوجی مشقیں ہوئیں جن میں چار لاکھ بھارتی فوجیوں نے حصہ لیا۔ بین الاقوامی دفاعی تجزیہ نگاروں کے مطابق بھارت دراصل ان مشقوں کی آڑ میں گلگت اور سکردو پر قبضہ کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ لیکن ضیاء الحق شہیدؒ کی جانب سے راجیو گاندھی کو دی گئی ایک دھمکی پر بھارت کے پسینے چھوٹ گئے اور اس نے پاکستان سے دور ہٹنے میں ہی عافیت سمجھی، پھر اس کے بعد دسمبر 2001ء میں بھارتی پارلیمنٹ میں ہونے والے حملے کو بنیاد بنا کر مملکت اسلامیہ پاکستان کے خلاف فوج کشی کا اعلان کر دیا، تب ہمیں اپنے جوہری ہتھیاروں کو تھوڑی سی حرکت دینا پڑی، جس سے غاصب بھارت کے اوسان خطا ہوگئے اور اس کو شرمناک طریقے سے پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ اس ذلت آمیز پسپائی پر دنیا بھر میں دشمن کو خاصی جگ ہنسائی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ خیال رہے کہ اس وقت 11\9 والے حادثے کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور ہماری حکومت پر شدید بیرونی دباؤ تھا۔ اس کے باوجود بھارت پاکستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ 26 اکتوبر 2008ء کو ممبئی میں ہونے والے حملے کے دوران جس میں محض دس کشمیری اور بھارتی مسلمانوں نے پورے بھارت کو ساٹھ گھنٹوں تک مفلوج کر دیا تھا اور بھارتی عوام اور حکومتی نیتاؤں پر لرزہ طاری تھا، تب بھی غاصب بھارت کو پاکستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، حالانکہ اس وقت دشمن کو بین الاقوامی کمیونٹی کی مکمل سپورٹ حاصل تھی۔ اور تو اور اس انتہائی نازک وقت میں امریکیوں نے پاکستانی صاحب اقتدار کو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ بھارت آپ پر سرجیکل سٹرائیک جیسا ایڈونچر کرنا چاہتا ہے۔ آفرین ہے مملکت پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کے محافظ دلاوروں اور ان کے جذبہ ایمان پر، تب انھوں نے گھبرانے کی بجائے امریکیوں کو کھلے الفاظ میں سمجھا دیا کہ اگر بھارت نے کوئی بھی ایسی بیوقوفی کی تو ہم اسے کھلی جنگ تصور کریں گے اور یہ جنگ پھر ہماری مرضی سے بند ہوگی۔ تب غاصب بھارت کے انتہا پسند نیتا جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ مندرجہ بالا واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ بھارت کے سیاسی نیتاؤں، مذہبی پنڈتوں اور فوجی سینہ پتیوں میں اتنا حوصلہ نہیں کہ وہ بیک وقت پاک فوج، مجاہدین کشمیر اور نظریہ پاکستان پر ایمان رکھنے والے بیس کروڑ کلمہ گوؤں کے ساتھ پنگا لے جبکہ مملکت اسلامیہ ہر قسم کے بین الاقوامی دباؤ سے باہر آچکی ہے اور تیزی سے معاشی استحکام کی جانب بڑھ رہی ہے۔ اس وقت ہمارا دفاعی نظام پانچ بڑی طاقتوں کے ہم پلہ ہے۔ دوسری جانب غاصب انڈیا میں کم وبیش تیس آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں جن کو دبانے کے لیے کم ازکم چار لاکھ کے قریب فوج کو مختص کیا گیا ہے، جبکہ کشمیر میں آزادی کی تحریک کو دبانے کے لیے سات لاکھ سے زائد فوج پھنسی ہوئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا کہ پاکستان کے ساتھ جنگ کی صورت میں غاصب بھارت کیا فلمی ہیجڑوں کو لڑائے گا؟ ایران کی مدد سے بلوچستان میں چلائی گئی علیحدگی کی تحریک و دہشت گردی کے اڈوں اور لندن میں بیٹھے ہوئے ام الخبائث کے رسیا اور موساد کے زرخرید غلام کے ذریعے کراچی کو جس طرح گزشتہ تین دہائیوں سے تخریب کاریوں اور دہشت گردانہ کارروائیوں کا مرکز بنایا ہوا تھا، آپریشن ضرب عضب کے ذریعے دشمن کے ان تمام فتنوں کا خاتمہ کر کے اس کو مفلوج کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ اور تو اور بھارتی آرمی چیف اور ایئر چیف مودی کے سامنے برملا جنگی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے کہہ چکے ہیں کہ اس وقت ان کی فوج پاکستان کے ساتھ جنگ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اس وقت غاصب بھارت کو سفارتی سطح پر بدترین ناکامی کا سامنا کرنے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی کمیونٹی کی حمایت حاصل کرنے میں منہ کی کھانی پڑ رہی ہے۔ یہی وہ زمینی حقائق اور اسباب تھے جن کی بناء پر راقم شروع دن سے کہہ رہا ہے کہ



بھارت مملکت اسلامیہ پاکستان پر براہ راست حملہ کرنے کی جسارت نہیں کرے گا۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ہمارا دشمن انتہائی عیار ومکار اور کمینی فطرت کا مالک ہے جس کا ماضی اس حوالے سے خاصا شرمناک ہے جس سے کبھی بھی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ کوئی جنگ کا رسک تو نہیں لے گا لیکن اپنی فطرت سے مجبور ہوکر بدترین تخریبی اور دہشت گردانہ کارروائیوں میں شدت لاسکتا ہے۔ راقم کی رائے میں تین مواقع ایسے ہو سکتے ہیں جب دشمن مہلک وار کرسکتا ہے۔ ① ڈوبتی ہوئی سیاسی ساکھ کو بچانے کے لیے جب وہ یہ سمجھے کہ بھارتی سیاست میں مستقبل قریب یا بعید میں اس کے سیاسی کردار کا خاتمہ ہو رہا ہے لیکن وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ امریکہ، برطانیہ، اسرائیل یا پھر روس سے مکمل ضمانت حاصل نہیں کرلیتا کہ دوران جنگ اس کو اگر کسی خلاف توقع حالات کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اس کو بچالیں گے۔ ② پاکستان کی سیاسی ابتری اور کشیدہ صورت حال جب سیاسی جماعتیں آپس میں دست وگریبان ہوں تو وہ مملکت پاکستان کو تخریبی اور دہشت گردانہ کارروائیوں میں الجھا کر ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپ دے۔ 1965ء اور 1971ء کی جنگیں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں کیونکہ دونوں دفعہ ملک سیاسی ابتری کا شکار تھا۔ ③ جب انتہاپسند صلیبی اور فتنہ گر یہودی مشرق وسطیٰ میں مجاہدین اسلام اور ارض التوحید (سعودی عرب) کے خلاف آخری راؤنڈ شروع کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیں۔ اس وقت یہ اسلام دشمن عناصر پاکستان کو ارض التوحید اور سرزمین انبیاء (شام) کے مظلوم ومقہور مسلمانوں کی مدد سے روکنے کے لیے غاصب بھارت کے ساتھ جنگ میں الجھا دیں گے حتیٰ کہ اس محدود عالمی جنگ کے آغاز کی انتہاپسند صلیبی اور فتنہ گر صہیونی تاریخ تک دے چکے ہیں جس کا شمالی شام یعنی حلب میں ہونے کا امکان ظاہر کیا جارہا ہے جہاں اس وقت امریکی، روسی، ایرانی اور شامی فورسز اپنے اپنے مسلح جتھوں کے ساتھ اسلام پسندوں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ راقم کی رائے میں ملکی یا پھر بین الاقوامی حالات کچھ بھی ہوں ہماری سیاسی، عسکری، دینی اور خاص کر جہادی تنظیموں کے قائدین کو انتہائی چوکنا رہنا ہوگا کہ کہیں ہماری غفلت سے دشمن ایسا ہاتھ نہ کر جائے کہ ہمارے لیے واپسی کے تمام راستے مسدود ہو جائیں۔

گزشتہ کچھ دنوں سے انڈین آرمی اور خفیہ ایجنسیوں کے عہدیداروں اور سیاسی لیڈروں کی جانب سے جنگی حالات کے حوالے سے گرما گرم بحث چل رہی ہے۔ سب سے پہلے ہمیں ایسے شدت پسند عناصر کے بارے میں جاننا ہو گا کہ یہ کون ہیں؟ درحقیقت آرمی اور خفیہ ایجنسیوں کے یہ وہ عہدیدار ہیں جو ریٹائرڈ شدہ ہیں، اسی طرح سیاست دانوں میں وہ نام نہاد انتہاپسند اور ناکام سیاسی لیڈرز ہیں جن کی سیاست کا محور ہی مسلم دشمنی ہے یعنی یہ بھارتی



معاشرے کے وہ ٹھکرائے ہوئے طبقے ہیں جنھیں پاک بھارت جنگ کے دوران نہ تو خود لڑنا ہے اور نہ ہی ان کے نزدیکی قرابت داروں کو شریک ہونا ہے۔ دوسری جانب مودی سرکار نے اول روز سے ہی مملکت اسلامیہ کے خلاف انتہا پسندانہ پالیسی اپنا کر اپنے لیے مشکلات پیدا کر لی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پٹھان کوٹ ائیر بیس، اوڑی ملٹری بیس، بارہ مولہ ملٹری بیس اور پام پور میں بڑی سرکاری بلڈنگ پر ہونے والے حملوں کے بعد مودی سرکار کی داخلی اور خارجی سطح پر خاصی جگ ہنسائی ہو رہی ہے جس کی بناء پر ان کی سیاسی ساکھ داؤ پر لگ چکی ہے۔ اپنی سیاسی ساکھ کو بچانے کے لیے ملک میں میڈیا کے ذریعے جنگی حالات پیدا کرنا مودی کی مجبوری بن چکی ہے۔ انتہا پسند مودی کے اس جنگی جنون نے عوام کے اندر اس حد تک اشتعال پیدا کر دیا ہے کہ مودی سرکار کے لیے واپسی کا راستہ بند ہو چکا ہے۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق، مودی آگے بڑھتا ہے تو پاک فوج اس کی سینا کو دبوچنے کے لیے تاک میں ہے اگر پیچھے ہٹتا ہے تو غصے سے بھرے بھارتی عوام اس کی تکہ بوٹی کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں، یعنی صیاد خود اپنے ہی دام میں پھنس چکا ہے۔ اس کے علاوہ بھارت اپنے ہاں ہونے والے گزشتہ تمام حملوں کو مملکت اسلامیہ پاکستان سے نتھی کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہا ہے اور دنیا کو اب رفتہ رفتہ احساس ہو رہا ہے کہ بھارت پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے اور کشمیر میں اپنی فورسز کی جانب سے بدترین دہشت گردی کے قبیح افعال کو چھپانے کے لیے ایسے اوچھے ڈرامے رچاتا رہتا ہے جن کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔

اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر جس انداز میں وزیراعظم محترم نواز شریف نے کشمیری مسلمانوں کا کیس پیش کیا ہے اور برہان وانی کو جس طریقے سے کشمیری شہداء کا ہیرو قرار دیا ہے، پاکستان کی ستر سالہ تاریخ میں شاہد ہی کسی اور نے اس قسم کا کردار ادا کیا ہو۔ خاص کر وہ وقت جب مسٹر پرائم منسٹر برہان شہیدؒ کا ذکر ایک ہیرو کے طور پر کر رہے تھے تو اس وقت دنیا بھر کے سربراہان کی خاموشی ہی اس بات کی دلیل تھی کہ انھوں نے غاصب بھارت کے خلاف لڑنے والے ان کشمیریوں کی آزادی کی جدوجہد کو جائز تسلیم کرتے ہوئے برہان کی شہادت کو قبول کر لیا ہے۔ ایسی کامیاب سفارت کاری پر دشمن اب تک خاصا تلملایا ہوا ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسئلہ کشمیر برطانیہ کا پیدا کردہ ہے۔ کشمیر کے معصوم بچے، عزت مآب مسلم خواتین اور باریش بزرگ بھارتی فورسز کے ظلم وستم اور جبر کے سائے میں گزشتہ ستر سال سے جس طرح زندگی گزار رہے ہیں یہ ان ہی کا حوصلہ ہے۔ اگر ایک جانب بھارتی فوج کی بدترین درندگی اور وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بددیانتی کے نتیجے میں لاکھوں بے گناہ اور نہتے کشمیری شہید ہو چکے ہیں تو دوسری جانب وادی کا کھربوں روپوں کا انفراسٹرکچر بھی مکمل طور پر تباہ وبرباد ہو چکا ہے۔

وقت آ گیا ہے کہ اب دونوں جانب کی کشمیریوں کی سیاسی، دینی اور مسلح جدوجہد کرنے والی قیادتوں کو مل کر ایک ایسا ٹھوس لائحہ عمل تشکیل دے کر بین الاقوامی عدالت انصاف میں برطانیہ کے خلاف پوری قوت کے ساتھ کیس دائر کر دینا چاہیے اور پھر پورے عزم کے ساتھ اس کیس کی پیروی کرتے ہوئے اقوام متحدہ، یو این او، یورپی یونین، سارک اور بین الاقوامی فورمز پر غاصب بھارت اور برطانیہ کے سیاہ چہروں کو بھی بے نقاب کرنا ہوگا۔ اسی طرح مملکت اسلامیہ پاکستان کی تمام سیاسی، دینی اور مذہبی جماعتیں مل کر حکومت وقت کو مجبور کریں کہ وہ 1947-48ء میں ریاست جونا گڑھ کے خلاف اور حیدر آباد دکن وغیرہ پر بھارت کے غاصبانہ قبضے اور مملکت اسلامیہ کے حصے میں آنے والے ہتھیائے گے اثاثوں کے حصول کے لیے بین الاقوامی عدالت انصاف میں بھارت کے خلاف کیس دائر کرے۔ جس کی پوری استقامت کے ساتھ پیروی کی جائے۔ تب غاصب بھارت کے ہوش ٹھکانے آئیں گے اور وہ مملکت اسلامیہ پاکستان کو اس کے تمام حقوق لوٹانے پر مجبور ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ!

ضروری نوٹ: امریکی صہیونیوں کی جانب سے مملکت اسلامیہ السعودیہ العربیہ کے خلاف پاس کیا گیا ''جاسٹا'' کا قانون درحقیقت الحرمین شریفین کے خلاف طبل جنگ ہے جس کی شروعات برائی کے محور ایران کے ساتھ جوہری معاہدہ کر کے کی گئی۔



14 نومبر
عالمی یوم ذیابیطس

ڈاکٹر طارق ریاض

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں صحت کا پہلا نمبر ہے۔ زندگی بہت حسین ہے کیونکہ اس کا پیدا کرنے والا بھی بے حد اور ناقابل بیان خوبصورت ہے۔ صحت کتنی بڑی عطا ہے، اس کا اندازہ تبھی ہوتا ہے جب یہ دولت کسی بیماری یا لاچاری کے ہاتھوں چھن جاتی ہے۔ تمام جاندار بشمول انسان صحت کے ساتھ زندگی کی خوشیاں منا سکتا ہے وگرنہ یہی زندگی ایک بوجھ بن جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی اور موت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور دیگر امور کی طرح صحت بھی عطیہ خداوندی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے معدے (Stomach) کے پیچھے ایک غدود پیدا فرمایا ہے جسے لبلبہ یا پنکریاز (Pancreas) کہا جاتا ہے۔ لبلبہ میں دو طرح کے خلیے (Cells) پائے جاتے ہیں جنھیں الفا سیلز (A-Cells) اور بیٹا سیلز (B-Cells) کہا جاتا ہے۔ الفا سیلز ایک ہارمون GLUCAGON پیدا کرتے ہیں جو خون میں گلوکوز کی مقدار میں اضافہ کرتے ہیں جبکہ "Beta Cells" ایک ہارمون انسولین (Insulin) پیدا کرتے ہیں۔ انسولین خون میں گلوکوز کی مقدار کو کم کرتا ہے۔ یوں ہمارے جسم میں گلوکوز (Glucose) کی مقدار کو مستقل رکھا جاتا ہے۔ خدا نہ کرے کسی کے لبلبہ میں انسولین بننا رک جائے تو شوگر کا عارضہ لاحق ہوجاتا ہے۔ جسے عربی میں ذیابیطس اور سائنس میں "DIABETES" کہا جاتا ہے۔ شوگر بڑا نامراد مرض ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ کرنے اور عوامی شعور کی بیداری کی خاطر ہر سال 14 نومبر کو عالمی یوم ذیابیطس منایا جاتا ہے۔ اس دن کی اہمیت اپنی جگہ لیکن اس مرض کی وجہ سے زندگی کی رنگینی میں جو کمی آجاتی ہے اس کا اندازہ لگانا بڑا مشکل ہے۔

عالمی یوم ذیابیطس کو پہلی مرتبہ اقوام متحدہ کے پرچم تلے 1991ء میں منانا شروع کیا گیا۔ اس دن کو منانے کی ضرورت کا احساس یوں پیدا ہوا کہ دنیا بھر میں اس مرض کے مریض تیزی سے سامنے آنا شروع ہوئے اور دنیا کے کونے کونے میں اس مرض اور ان کے اثرات پر تحقیقات شروع ہوئیں۔ جوں جوں سائنسی تحقیق کے نتائج سامنے آنا شروع ہوئے ویسے ویسے اس بیماری کی اہمیت بڑھتی چلی گئی۔



اس حقیقت کے پیش نظر ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) اور عالمی ذیابیطس فیڈریشن نے محسوس کیا کہ دنیا میں لوگوں کو اس بیماری کے اثرات، بچاؤ اور اہمیت سے روشناس کروانے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ چنانچہ دنیا کے 160 سے زائد ممالک ہر سال یہ دن مناتے ہیں۔ پاکستان میں بھی اس دن کانفرنسیں، سیمینارز، مباحثے، ورکشاپس اور تقاریب ہوتی ہیں جن میں ماہرین اس بیماری کے بعد زندگی گزارنے کے ڈھنگ سے آگاہی فراہم کرتے ہیں۔ یوں عوام الناس کو اس موذی مرض کے ساتھ جینے کا ڈھنگ اور احتیاطی تدابیر کا شعور ملتا ہے۔ اقوام متحدہ کے تحت اس عالمی یوم ذیابیطس کا لوگو نیلے رنگ کا دائرہ (Blue Sircle) ہے۔ یہ لوگو (Logo) 2007ء سے متعارف کروایا گیا ہے۔ نیلا رنگ اقوام متحدہ کے پرچم کا بھی ہے اور یہ رنگ آسمان سے ملتا ہے۔ آسمان سب کا سانجھا ہے۔ اس میں ملک وقوم اور مذہب وملت کی کوئی تخصیص نہیں۔ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے یہ مسئلہ بھی مشترک ہے۔

شعبہ طب کے ماہرین شوگر کے عارضہ کو سائنسی زبان میں "DIABETES MELLITUS" پکارتے ہیں۔ اس مرض کی علامات کچھ یوں ہیں:

* پیشاب کی زیادتی * بھوک میں اضافہ * جسمانی کمزوری * زبان و ہونٹوں پر پیاس کا محسوس ہونا * عضلات کی کمزوری * تھکن کا احساس رہنا * پنڈلیوں میں درد * جنسی کمزوری و یادداشت متاثر ہونا * زخموں کا دیر سے مندمل ہونا * سانس میں مٹھاس کی خوشبو * گردوں میں دباؤ کا احساس * جنسی معاملات میں بے رغبتی * پاؤں میں زخموں یا پھوڑوں کا نمودار ہوجانا * آنکھوں میں دھندلا پن * دل کے امراض پیدا ہونا * غنودگی طاری رہنا * نڈھالی و بے خوابی * پیروں و ہاتھوں میں جھنجھناہٹ * وزن میں کمی وغیرہ۔

اس مرض کی وجوہات درج ذیل ہیں:

* لبلبہ (Pancreas) کا انسولین نہ بنانا یا مقدار سے کم بنانا۔
* غذا میں میٹھے کا بے دریغ استعمال۔
* بار بار خاندان میں شادی کرنا جبکہ ذیابیطس کا مرض بھی موجود ہو۔
* وائرس حملے کی وجہ سے پنکریاز (لبلبہ) کے سیلز کا تباہ ہوجانا۔
* ذہنی دباؤ (Hypertension) لینا۔
* چہل قدمی اور Exercises نہ کرنا۔
* وراثتی بیماری (خاندانی مرض)۔
* جسم کے اپنے مدافعتی نظام (AUTO IMMUNE SYSTEM) کا لبلبہ کے Beta Cells کو تباہ کردینا۔
* جسم میں ایسے مادوں (Torins) کا داخل ہوجانا جو لبلبہ کی کارکردگی کو خراب کردیں۔
* شیر خوار بچوں میں میڈیکل کیئر مثلاً: وٹامن D ٹریٹمنٹ کے دوران علامات کا پیدا ہوجانا (اس پر تحقیقات جاری ہیں۔)
* جسم کا انسولین کے خلاف (Resistance) ہوجانا اور جسمانی عضلات و اعضاء کا گلوکوز کا نامناسب استعمال کرنا۔
* جسمانی وزن میں غیر معمولی اضافہ۔
* جسم کو متحرک سرگرمیوں سے دور رکھنا۔

ذیابیطس کی کئی اقسام ہیں جن میں سے تین درج ذیل ہیں:

(الف) ذیابیطس ٹائپ ون (Diabetes Type I)
(ب) ذیابیطس ٹائپ ٹو (Diabetes Type II)
(ج) GESTATIONAL ذیابیطس

Diabetes Type I کا مرض انسولین کی کمی سے ہوتا ہے۔ اس قسم کی شوگر لبلبہ میں Beta سیلز کی تباہی یا خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ لبلبہ کے انسولین پیدا کرنے والے سیلز کو وائرس، بیکٹریا یا ہمارا مدافعتی نظام تباہ کر ڈالتا ہے۔ انسولین بننا بند ہوجائے یا کم ہوجائے تو شوگر ٹائپ ون ہو جاتی ہے۔ یہ مرض کسی بھی عمر میں ظاہر ہوسکتا ہے۔ حتی کہ شیر خوار میں بھی! دنیا بھر میں لگ بھگ 10 فیصد مریضوں کو یہی مرض لاحق ہوتا ہے۔ کزن میرج سے بھی یہ ہو جاتی ہے۔

Diabetes Type II کا مرض 90 فیصد مریضوں کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ بھی ایسے خاندانوں میں عام ہے جہاں نسل درنسل سے شوگر کا مرض موجود ہے اور کزن میرج سے باز نہیں آیا جاتا۔ دادا، دادی، نانا، نانی، ماں باپ میں سے ایک کو یا دونوں کو شوگر ہو اور اولاد میں یہ مرض نہ آئے ممکن نہیں۔ لہٰذا اس بیماری کا موروثی طور پر کسی خاندان میں ہونے کا واحد علاج یہ ہے کہ بچوں کی شادی ایسے خاندان میں کی جائے جس کے افراد میں یہ مرض موروثی نہ ہو۔ وزن میں اضافہ، غیر متحرک زندگی، ذہنی دباؤ، معاشی حالات، کھانے پینے میں لاپروائی، سگریٹ، شراب اور چکنائیوں کا بے دریغ استعمال بھی اس قسم کی شوگر کا سبب



ہے۔اسی طرح جگر کا ابنارمل گلوکوز بنانا بھی اس قسم کی شوگر کا باعث بنتا ہے۔

چونکہ شوگر کا مرض میٹابولک سینڈروم (Metabolic Syndrome) ہے۔ اس لیے خون میں گلوکوز کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ کمر کا سائز بڑھ جاتا ہے۔ پیٹ نکل آتا ہے۔خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ بلڈ پریشر (Blood Pressure) کی شکایت پیدا ہوجاتی ہے۔خون میں کولیسٹرول (Cholesterol) بڑھنے سے دل کے امراض کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسی لیے TypeII شوگر کا مرض پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسے افراد جن کی عمر 45 برس سے زیادہ ہو، موٹاپے کا شکار ہوں، والدین کزن ہوں اور ان میں یا ان کے ماں باپ کو شوگر کا مرض ہو، بلڈ پریشر ہائی رہتا ہوتو ٹائپ ٹو کی شوگر کے امکانات رہتے ہیں۔

ذیابیطس کی قسم "GESTATIONAL DIABETES" عموماً حاملہ عورتوں میں پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کی وجہ ہارمونز اور جسمانی عوامل (Metabolism) کی خرابی ہے۔ البتہ اس کی وجہ بار بار رشتہ داروں میں شادی اور گھریلو حالات جہاں معاشی وازدواجی دباؤ ہو، وغیرہ بھی ہوسکتے ہیں۔ اگر ان دنوں میں انسولین کی مقدار کم پیدا ہوتو بھی ماں کو شوگر ہوجاتی ہے اور یہ ہونے والے بچے میں بھی منتقل ہوجاتی ہے۔ البتہ یوں بھی ہوتا ہے کہ بچہ پیدا کرلینے کے بعد ماں میں یہ مرض ختم ہوجاتا ہے اور اگلی "Pregnancy" پر پھر یہ مرض عود آتا ہے۔ ایسی عورتوں کو بچہ پیدا کرلینے کے بعد بھی ہر 3 ماہ بعد شوگر چیک کرواتے رہنا چاہیے تاکہ مستقبل میں کسی مشکل سے بچا سکے۔ شوگر کی قسم کوئی بھی ہو، اس سے بچانے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن درج ذیل تدابیر اس کے امکانات کو کم کردیتی ہیں:

✳ باقاعدگی سے کم ازکم روزانہ خالی پیٹ 30 منٹ تک چہل قدمی۔

✳ وزن میں اضافہ نہ ہونے دینا تاکہ شوگر کی سطح مناسب رہے۔

✳ سبزیاں، لوبیا، اجناس اور پھلیاں کھانا۔ (پھلیاں سے مراد Nuts ہیں)

✳ غلہ (Whole Grain) کھانا۔

✳ TV، کمپیوٹر اور بیٹھ کر کھیل کھیلنے سے اجتناب کرنا۔

✳ بالنگ، فیلڈنگ، ہاکی، فٹ بال، ٹینس، سکوائش وغیرہ کھیلنا۔

✳ مٹھائی، کولاز، بیکری کی اشیاء کا استعمال ترک کرنا۔

✳ پانی، بغیر چینی کی چائے کافی استعمال کرنا۔

✳ آم، کیلے، انگور اور کھجور کا نہایت قلیل مقدار میں لینا۔

✳ ہر ماہ باقاعدگی سے میڈیکل چیک اپ کرانا۔

✳ مرض ہوجانے کی صورت میں احتیاطی تدابیر اختیار کرنا۔

✳ جوس پینے کی بجائے پھل کھانا۔

✳ سرخ گوشت کا کم کھانا، مونگ پھلی، اخروٹ، چلغوزے وغیرہ کھانا۔

✳ مچھلی ومرغی کھانے کو ترجیح دینا جبکہ سگریٹ و شراب سے توبہ!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی امان میں رکھے!

بقیہ: خوابوں کی تعبیر

کے حالات ومعاملات برباد ہوجائیں گے۔

احتیاطی تدابیر

نفع ونقصان دینے کا کلی اختیار اللہ احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ چاہے تو کسی کو سزا دینے کے لیے اس کا امتحان لینے کے لیے (کہ کیا میرے اوپر مکمل توکل کرتا ہے یا غیر اللہ سے بھی مدد کا طالب ہے) کسی کو آگ کے ذریعے، کسی کو سیلاب کے ذریعے کسی کو بیماری کے ذریعے تو کسی کو جادو کے ذریعے چیک کرتا رہتا ہے (جادو بھی اللہ کے حکم کے بغیر اثر انداز نہیں ہوتا) ﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ 102:2) اگر بندہ صرف اکیلے اللہ پر توکل کرلے، صابر وشاکر دن رات گزارنا شروع کردے، زبان پر کوئی گلہ شکوہ خالق یا مخلوق پر نہ کرے تو آزمائش یا سزا پوری ہونے کے بعد اللہ نقصان کو بھی پورا کردیتا ہے اور زیادہ عطا کرکے قلب و روح کو بھی خوش کردیتا ہے۔

اگر بے صبری کرے گا، گلے شکوے بولے گا۔ غیر اللہ سے مدد مانگے گا، مخلوق کو حاجت روا مشکل کشا سمجھے گا تو امتحان یا سزا اپنی مدت پوری کرکے ختم ہوجائے گی۔ مگر اللہ پر اس کا ایمان بھی ختم ہوچکا ہوگا۔ کلمہ گو مشرک بن کر زندگی گزارے گا، اللہ کے امتحان میں فیل ہوجائے گا۔ خسر الدنیا والآخرۃ



انڈونیشیا

محسن فارانی

آبادی میں سب سے بڑا اسلامی ملک جو دنیا کی سولہویں بڑی معیشت بن گیا ہے

انڈونیشیا کہاں ہے؟

17508 چھوٹے بڑے جزیروں پر مشتمل انڈونیشیا جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کے جنوب مشرق میں براعظم آسٹریلیا ہے۔ یہ دنیا کے دو بڑے سمندروں بحرالکاہل اور بحرہند کے درمیان حائل ہے۔ انڈونیشیا جزائر شرق الہند (ایسٹ انڈیز) میں شامل ہے۔ اس کے بڑے بڑے جزیرے درج ذیل ہیں: سماٹرا، کلی منتان (سابق بورنیو، اس کا ایک تہائی شمال مغربی حصہ برونائی اور ملائیشیا کی دو ریاستوں صباح اور سراوک پر مشتمل ہے)۔ جاوا، سلاویسی (سیلی بز)، مغربی پاپوا (اریان جایا)، بنگ کا، فلورس، سیرام، مدورا، ملوکو (سابق مولکا)، ہلما میرا، بالی (یہاں ہندو اکثریت میں ہیں)، سمبا، لومبوک، مغربی تیمور۔

انڈونیشیا ایک نظر میں

سرکاری نام: ری پبلک انڈونیشیا (جمہوریہ انڈونیشیا)

دارالحکومت: جکارتا (سابقہ بٹاویا)

رقبہ: 19,19,440 مربع کلومیٹر

آبادی: 23 کروڑ (تقریباً)

زبانیں: بھاشا انڈونیشیا، انگریزی، ولندیزی (ڈچ) اور مقامی بولیاں

سرکاری زبان: بھاشا انڈونیشیا

قومی زبان: بھاشا انڈونیشیا

مذہب: مسلمان 88 فیصد، عیسائی 8 فیصد، ہندو 2 فیصد، بدھی 1 فیصد

طرزِ حکومت: پارلیمانی صدارتی نظام

سکہ: روپیہ (Rupiah)

1 ڈالر: 13025.16 روپے

فی کس آمدنی: 4156 ڈالر

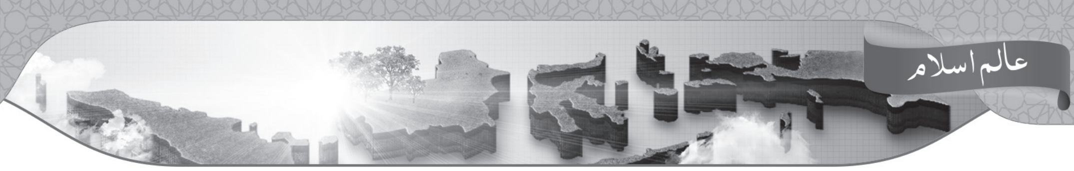
ٹریفک: بائیں طرف

گرم مسالوں کے جزیرے

انڈونیشیا کے جزائر مولکا (ملوکو) گرم مسالوں کے حوالے سے مشہور ہیں۔ ان میں جائفل، دارچینی، لونگ اور کالی مرچ شامل ہیں۔ گرم مسالوں کی صدیوں سے یورپ میں مانگ تھی۔ 1453ء میں قسطنطنیہ پر عثمانی ترکوں کے قبضے سے بحیرہ روم کی ساری تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی تو یورپ والوں کو ہندوستان اور ایسٹ انڈیز (جزائر شرق الہند) سے تجارت کے لیے نئے راستوں کی تلاش ہوئی جہاں ترک مسلمانوں کا تسلط نہ ہو، چنانچہ پرتگالی جہازران واسکو ڈے گاما جنوبی افریقا کے گرد سفر کرتا ہوا مئی 1948ء میں جنوبی ہند کی بندرگاہ کالی کٹ پہنچ گیا اور پھر تھوڑے ہی عرصے میں گرم مسالوں کی تجارت پرتگال کے ہاتھ آ گئی۔

انڈونیشیا ایک صدی پرانا ہے

انڈونیشیا کا نام زیادہ پرانا نہیں، یہ ماضی میں جزائر شرق الہند میں شامل تھا جو کہ ہندوستان



کے مشرق میں ہے۔ انڈونیشیا کا نام لاطینی لفظ Indus (ہند) اور یونانی لفظ Nesos (جزیرہ) سے مرکب ہے۔ نام انڈونیشیا سب سے پہلے 1850ء میں ایک انگریز رچرڈسن لوگان (Richardson Logan) نے ایک رسالے میں لکھا تھا۔ ان دنوں ان جزائر کو نیدر لینڈ ایسٹ انڈیز یا ڈچ ایسٹ انڈیز کہا جاتا تھا۔ پہلا انڈونیشی دانشور جس نے 1913ء میں اپنے ملک کا نام انڈونیشیا لکھا، سورت ننگرت تھا۔ اس کے بعد یہ نام عام ہوگیا۔

انڈونیشیا کی تاریخ

ماہرین انڈونیشیا کے قدیم انسانوں کو جاوا مین کے نام سے منسوب کرتے ہیں جن کی باقیات مایا کیرتا (جاوا) سے 1891ء میں ملیں۔ ہزاروں سال پہلے تائیوان کے چینی یہاں آئے۔ 2500 ق م تا 200 ق م ملائی نسل کے لوگ یہاں آباد ہوئے۔ انھوں نے لوہے اور کانسی کا استعمال کیا اور کشتیاں چلائیں۔ وہ سمندر، روحوں، بارش اور ندیوں کی پوجا کرتے تھے۔ پھر پانچویں صدی عیسوی میں یہاں ہندوستانی تاجروں کی آمد ہوئی اور ان کے زیر اثر ساتویں صدی عیسوی میں سری وجیا نامی ریاست قائم ہوئی، یوں ان جزیروں میں ہندومت اور بدھ مت کو فروغ ملا۔ آٹھویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان انڈونیشیا میں بدھ بادشاہت سلیندرا اور ہندو بادشاہت ماتا رام وجود میں آئیں۔ تیرھویں صدی عیسوی میں مشرقی جاوا میں ہندو ماجا پاہٹ بادشاہت کی بنیاد پڑی جس کے اثرات بیشتر انڈونیشیا میں اور ملایا تک پھیل گئے۔

انڈونیشیا اسلام کی آغوش میں

اگرچہ ان جزائر میں مسلمان تاجر اسلام کے ابتدائی دور ہی میں پہنچ گئے تھے، تاہم سب سے پہلے تیرھویں صدی میں گجرات (ہندوستان) کے تاجروں کی تبلیغ سے شمالی ساٹرا کے باشندوں نے اسلام قبول کیا۔ 1290ء میں شیخ عبداللہ عارف یہاں آئے جن کی تبلیغ سے بیرلاک شہر (ساٹرا) کے سارے باشندوں نے اسلام قبول کرلیا۔ پھر شیخ برہان الدین نے شمال مغربی ساٹرا میں اسلام پھیلایا۔ ان کی تبلیغ سے ریاست سمودرا بسائی کے راجا نے اسلام قبول کرلیا اور وہ ملک الصالح کہلایا۔ سولھویں صدی کے آخر میں ساٹرا اور جاوا میں اسلام غالب آچکا تھا۔ جاوا اور ساٹرا سے اسلام باقی انڈونیشیا اور شرق الہند کے دوسرے جزائر میں بھی پھیلنے لگا حتی کہ کوئی بھی جزیرہ اسلام کی روشنی سے محروم نہ رہا۔ ابن بطوطہ 1346ء میں ساٹرا پہنچا تو اس وقت وہاں ملک الظاہر زین العابدین حکمران تھا۔ انڈونیشیا میں اسلام کی تبلیغ کرنے والے دیگر مشہور مبلغین کے نام یہ ہیں: مولانا مالک ابراہیم، رادین رحمت، مخدوم ابراہیم، رادین باکو، فتح اللہ، سونان قدوس، سونان دارجات اور سونان کالیجاجا۔ آچے (ساٹرا) کی مسلم سلطنت 1495ء سے 1767ء تک قائم رہی۔

انڈونیشیا میں یورپی لٹیروں کی آمد

1512ء میں توپوں سے مسلح پرتگالی تاجر ہندوستان سے انڈونیشیا پہنچے اور دیکھتے ہی دیکھتے مولکا کے گرم مسالوں کی تجارت پر قبضہ کرلیا۔ پرتگالیوں نے ظلم اور دہشت گردی سے یہاں عیسائیت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ مشرقی تیمور اور مولکا کے بعض جزیروں میں عیسائیت اکثریت اسی دور کی یادگار ہے۔ پرتگالیوں کے بعد یہاں ڈچ (ولندیزی، یعنی ہالینڈ کے باشندے) اور پھر انگریز آئے۔ 1602ء میں ڈچ تاجروں نے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی اور پھر تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے طاقت کے بل پر پرتگالیوں کو انڈونیشیا سے نکال باہر کیا۔ صرف مشرقی تیمور پرتگالیوں کے پاس رہا۔ 1800ء میں حکومت نیدرلینڈ (ہالینڈ) نے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی ختم کرکے ان جزائر کو ڈچ ایسٹ انڈیز کے نام سے ایک کالونی بنالیا۔ ادھر انگریزوں نے شمالی بورنیو (موجودہ صباح) اور سراوک پر قبضہ کرلیا تھا۔

آزادی کی تحریک

انڈونیشیا کے مسلمانوں نے پرتگالی، ڈچ اور انگریز سامراجیوں کی شدید مزاحمت کی، جس کی وجہ سے ڈچ بیسویں صدی کے اوائل میں کہیں پورے انڈونیشیا پر قبضہ جماسکے۔ انیسویں صدی میں ولندیزی سامراج کے خلاف وسطی جاوا میں 25 سال تک امیر دیبونی فرڈ نے جہاد کیا۔ تیکوعمر اور تنکوتشی دی تیرو ساٹرا کے علاقے آچے (Aceh) میں جہاد کرتے رہے۔ تیکوعمر بہت بڑے مجاہد تھے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کی بیوی تشوت نیادین نے جہاد جاری رکھا اور آخر کار گرفتار ہوئیں اور قید

ہی میں وفات پائی۔ ولندیزیوں کے خلاف انڈونیشیا کے مسلمانوں کا یہ جہاد تقریباً پون صدی تک جاری رہا۔

1905ء میں ڈچ حکومت نے انڈونیشیا میں نمایندہ بلدیاتی ادارے قائم کیے۔ 1912ء میں یہاں تحریک آزادی کا آغاز ہوا۔ 1928ء میں قوم پرست رہنماؤں نے جکارتا کانفرنس میں ایک قوم اور ایک زبان (بھاشا انڈونیشیا) کی بنیاد پر ایک مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا اور عبدالرحیم احمد سوئیکارنو کی قیادت میں انڈونیشی نیشنلسٹ پارٹی آزادی کے لیے سرگرم ہوئی۔ ماشومی (اتحاد الاسلامی) کے رہنما ڈاکٹر محمد حتی تھے۔ ان دونوں جماعتوں نے 1942-45ء میں انڈونیشیا پر جاپانی قبضے کے خلاف زبردست مزاحمت کی۔

ولندیزی شکست اور انڈونیشیا کی آزادی

جنگ عظیم دوم کے دوران میں جاپانیوں نے حملہ کرکے ولندیزیوں (Dutch) کو انڈونیشیا سے باہر نکال دیا تھا۔ اگست 1945ء میں جاپانیوں کی شکست پر قوم پرست رہنما عبدالرحیم سوئیکارنو نے انڈونیشیا کی آزادی کا اعلان کردیا۔ ولندیزیوں نے انگریزوں کی مدد سے دوبارہ انڈونیشیا پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ انڈونیشیا کے حریت پسندوں نے جاپانیوں کے چھوڑے ہوئے اسلحے سے ڈچ سامراج کے خلاف طویل جنگ لڑی حتی کہ دسمبر 1949ء میں ہالینڈ انڈونیشیا کی آزادی تسلیم کرنے پر مجبور ہوگیا۔ عبدالرحیم احمد سوئیکارنو ملک کے پہلے صدر بنے۔ ڈاکٹر محمد حتی نائب صدر تھے۔ انڈونیشیا کا علاقہ ایریان جایا (مغربی نیوگنی) ولندیزی تسلط میں رہا حتی کہ 1962ء میں ہالینڈ نے ایریان جایا انڈونیشیا کے حوالے کردیا اور پھر رائے شماری کے ذریعے سے یہ انڈونیشیا کا حصہ بن گیا۔

جنگ ستمبر میں انڈونیشی امداد

پاک بھارت جنگ (ستمبر 1965ء) کے دوران میں ایئر مارشل اصغر خاں صدر ایوب کی طرف سے جکارتا جاکر صدر سوئیکارنو سے ملے تو انھوں نے اپنے تمام اسلحے پاکستان کے حوالے کرنے کی پیشکش کی اور انڈونیشی بحریہ نے خلیج بنگال میں پاکستان کے لیے اہم خدمت انجام دی۔

1965ء کا ناکام کمونسٹ انقلاب

30 ستمبر 1965ء کو انڈونیشیا کی کمونسٹ پارٹی نے ملک میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جس میں چھ جرنیل ہلاک کردیے گئے اور ان کی لاشیں ایک کنویں میں پھینک دی گئیں۔ تاہم وزیردفاع جنرل عبدالحارث نسوشن اور جنرل سوہارتو بچ گئے۔ اس رات سوہارتو کسی دوست کے ہاں مقیم تھے اور نسوشن کے مرشد نے انھیں رات دریا کنارے گزارنے کی تلقین کی تھی۔ ان دونوں نے جوابی کارروائی کرکے کمونسٹ انقلاب ناکام بنادیا۔ مارچ 1967ء میں سوہارتو نے صدر سوئیکارنو کو برطرف کرکے خود صدارت سنبھالی۔

جنرل سوہارتو کے بعد

صدر سوہارتو 21 مئی 1997ء تک برسراقتدار رہے حتی کہ ملک گیر ہنگاموں کے نتیجے میں انھیں استعفا دینا پڑا۔ یوسف حبیبی عبوری صدر بنے۔ 1999ء اور 2001ء میں عبدالواحد اور میگا دیوی سوئیکارنو پتری (مرحوم سوئیکارنو کی بیٹی) نے یکے بعد دیگرے صدارت سنبھالی۔ سوہارتو کے طویل دور میں انڈونیشیا نے خاصی صنعتی واقتصادی ترقی کی۔

انڈونیشیا کا پرچم

انڈونیشیا کے جھنڈے پر دو عرضی پٹیاں ہیں۔ اوپر سرخ پٹی بہادری کی علامت ہے جبکہ نیچے سفید پٹی پاکیزگی کا نشان ہے۔

سونامی 2004ء سے تباہی

2004ء میں جزیرہ سماٹرا کے قریب بحر ہند میں زلزلہ آنے سے جو زبردست سونامی لہریں پیدا ہوئیں ان سے ایک لاکھ انڈونیشی ہلاک ہوئے۔ اس سونامی سے تھائی لینڈ، جنوبی بھارت، سری لنکا وغیرہ میں بھی ہلاکتیں ہوئیں۔

مشرقی تیمور کی انڈونیشیا سے علیحدگی

دسمبر 1975ء میں انڈونیشیا نے مقبوضہ مشرقی تیمور پرتگال سے واپس لے لیا، تاہم اس نصف جزیرے کی عیسائی اکثریت نے علیحدگی کی مسلح تحریک شروع کردی۔ مغربی ملکوں اور آسٹریلیا کے دباؤ پر 1999ء میں اقوام متحدہ کے زیراہتمام رائے شماری (ریفرینڈم) میں عیسائیوں نے علیحدگی کے حق میں ووٹ دیے



اور یوں چھ سات لاکھ کی آبادی کا مشرقی تیمور ایک آزاد ملک بن گیا۔ اس کے برعکس اقوام متحدہ مقبوضہ کشمیر کے ڈیڑھ کروڑ انسانوں کو بھارت کے شکنجے سے آزادی دلانے سے انکاری ہے کیونکہ یہاں معاملہ مسلمانوں کا ہے۔

انڈونیشیا میں کھیل

✳ انڈونیشیا کے مقبول کھیل بیڈمنٹن اور فٹ بال ہیں۔

✳ انڈونیشیا کی ٹیموں نے 1949ء سے اب تک منعقد ہونے والا بیڈمنٹن کا تھامس ورلڈ کپ 30 میں سے 25 مرتبہ جیتا ہے۔

✳ سی پاک ٹاکرا اور بھینسوں کی ریس (جزیرہ مدورا میں) روایتی کھیل ہیں۔

✳ انڈونیشیا میں ''پین کاک سلات'' نامی جوڈو کراٹے جیسا کھیل بھی مقبول ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا پھول

انڈونیشیا میں چوڑائی یا قطر کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا پھول ریفلیسیا آرنلڈی (Rafflesia Arnoldi) پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ پورا کھلتا ہے تو اس کی چوڑائی 3 فٹ اور وزن 15 پونڈ تک ہوتا ہے۔ بظاہر ریفلیسیا کا تنا، جڑیں اور پتے نہیں ہوتے۔ یہ طفیلی پودا اپنے میزبان پودے سے خوراک حاصل کرتا ہے۔

انڈونیشیا کا ایک اور بڑا پھول ٹیٹان آرم (Titan Arum) ہے جسے بنگابینکائی (مردہ پودا یا لاش پھول) بھی کہتے ہیں کیونکہ اس سے سڑے ہوئے گوشت کی بو آتی ہے۔ یہ پھول 7 تا 12 فٹ (2.5 تا 3 میٹر) بلند ہوتا ہے اور اس کا وزن 170 پونڈ تک پایا گیا ہے۔

دنیا کی سب سے مہنگی کافی

انڈونیشی جزیرہ بالی میں اگنے والے پودے Arabika Coffee سے دنیا کی مہنگی ترین کافی حاصل ہوتی ہے جو لووک کافی (Luwak Kopi) کہلاتی ہے۔ وہاں کا ایک بلی نما جانور سیوٹ (Civet) اس پودے کا پکا ہوا پھل ہضم کر لیتا ہے اور بیج اس کے فضلے میں خارج ہو جاتے ہیں۔ انھیں دھو کر خشک کر کے پیس لیا جاتا ہے۔ سیوٹ کے ہاضمے کے عمل سے ان بیجوں میں ایسا ذائقہ آ جاتا ہے کہ وہ 500 ڈالر فی کلوگرام کے بھاؤ بکتے ہیں۔ جکارتا کے امرا ''لووک کوپی'' کی ایک پیالی 8.83 ڈالر میں پیتے ہیں۔

انڈونیشیا کے ہمسایہ ممالک

جن ممالک سے انڈونیشیا کی زمینی سرحد ملتی ہے، یہ ہیں: ملائیشیا (سراوک اور صباح)، برونائی، پاپوا نیوگنی، مشرقی تیمور۔ ان کے علاوہ فلپائن (شمال مشرق میں) اور آسٹریلیا قریبی ہمسائے ہیں۔

بھاشا انڈونیشیا اور ملائی

انڈونیشیا کی قومی زبان ''بھاشا انڈونیشیا'' ملائی زبان ہی کی ایک شکل ہے۔ یہاں 250 سے زیادہ بولیاں ہیں۔ سامراجیوں کی آمد سے پہلے شرق الہند (انڈونیشیا اور ملائیشیا) میں ملائی زبان عام بولی اور لکھی جاتی تھی جس پر فارسی و عربی کے اثرات تھے اور اس کا رسم الخط چودھویں صدی عیسوی سے عربی تھا۔ سامراجی ڈچوں اور انگریزوں نے انیسویں صدی میں ملائی زبان پر لاطینی رسم الخط مسلط کر دیا تاکہ عربی و فارسی سے اس کا تعلق نہ رہے، چنانچہ اب بھاسا انڈونیشیا اور ملائی (Malay) دونوں لاطینی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

✳ انڈونیشیا دنیا کی 16 ویں بڑی اقتصادی طاقت ہے۔

✳ یہ ''20جی'' کارکن ہے جو دنیا کے 20 بڑے اقتصادی ممالک کی تنظیم ہے۔

✳ جدید دنیا کا سب سے بڑا غیر ایٹمی دھماکا انڈونیشی جزیرہ کراکاٹوا میں 1883ء میں ہوا تھا۔ جاوا اور سماٹرا کے درمیان واقع اس چھوٹے سے جزیرے میں آتش فشاں پہاڑ پھٹنے سے بحر ہند میں جو ہلچل ہوئی اس کی لہریں ہزاروں میل دور افریقہ کے ساحل تک جا پہنچی تھیں۔ اس آتش فشانی سے بیشتر جزیرہ تباہ ہو گیا تھا۔

انڈونیشیا میں آبادی کا تناسب

انڈونیشیا دنیا کا چوتھا سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے۔ اس کی تقریباً 23 کروڑ کی آبادی کا تناسب یوں ہے: مسلمان 86.1 فیصد، عیسائی 8.7 فیصد، ہندو 3 فیصد، بدھ 1.8 فیصد۔ یہ تقریباً 300 نسلی گروہوں اور مختلف ثقافتوں کا ملک ہے۔ مثلاً ملائی، عربی، چینی، جاوی اور یورپی۔ جاوی اگرچہ کل آبادی کا 42 فیصد ہیں مگر وہ ملک کی نجی تجارت اور دولت پر چھائے ہوئے ہیں۔ 29 فیصد آبادی شہری اور 71 فیصد دیہی ہے۔

انڈونیشیا کی زرعی و معدنی پیداوار

انڈونیشیا کی بڑی فصلیں چاول، چائے، گنا، کیلا، اخروٹ، گرم مسالے، مکئی، تمباکو، پام آئل، کافی اور مونگ پھلی ہیں۔ ربڑ اور عمارتی لکڑی کی پیداوار بھی خاصی ہے۔ معدنیات میں پٹرولیم، قدرتی گیس، کوئلہ، باکسائیٹ (ایلومینیم)، تانبا، نکل اور قلعی (Tin) شامل ہیں۔ ان زرعی اور معدنی وسائل کی بنا پر انڈونیشیا دنیا کی 16 ویں بڑی معیشت بنا ہے۔

انڈونیشیا کے صدر مملکت

انڈونیشیا کے موجودہ صدر جوکو ودودو عرف جوکووی اکتوبر 2014ء سے صدر مملکت ہیں۔ ان کے نائب صدر یوسف کلا ہیں۔ مسلم صدر ودودو سے پہلے مسلم صدر سوسیلو بمبانگ یودویونو حکمران رہے۔ صدر ودودو 2012-14ء میں جکارتا کے گورنر رہے۔

شادی سے پہلے حج

انڈونیشیا کے اکثر مسلمان باشندے شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہاں یہ رواج ہے کہ شادی سے پہلے نوجوان سفر حج کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حرمین میں انڈونیشی حجاج میں اکثر نوجوان نظر آتے ہیں جبکہ ہمارے عازمین حج میں اکثریت بوڑھوں کی ہوتی ہے۔

انڈونیشیا کی چند مرغوب غذائیں

انڈونیشیا میں عام خوراک چاول ہیں جن کے ساتھ سبزی یا گوشت کے سالن استعمال کرتے ہیں۔

سوتو ایام (چکن سوپ): اس سوپ میں چکن پیس، سرخ پیاز، ادرک، الائچی، لونگ اور ناریل کا میٹھا پانی استعمال ہوتا ہے۔

ساتے کیرانگ (شیل فش نامی مچھلی کے کباب): کبابوں کی یہ ڈش مونگ پھلی کی چٹنی کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔

ٹیلور پنڈانگ (خاص طریقے سے محفوظ کیے ہوئے انڈے): یہ سخت ابلے ہوئے انڈے ہوتے ہیں جنھیں ناریل کے تیل میں پکے چاولوں کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔

ایس ٹہہ مانس (میٹھی برف ملی چائے): یہ ٹھنڈی برفیلی چائے جگہ جگہ ملتی ہے اور اسے بچے بڑے سبھی شوق سے پیتے ہیں۔